وَإِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا (الانعام:۱۵۲)
اور جب بولو تو عدل (کا خیال) رکھو۔

"فضائل اعمال"

(مؤلفہ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ)

کا

علمی اور تحقیقی جائزہ

از

دکتور شیخ ابو حفصہ محمد عبداللہ سلفی
(مکہ مکرمہ)



منجانب
محمد خالد صدیقی عفی اللہ عنہ
فاطمہ ڈرگ اسٹور، میڈیکل کالج روڈ، علی گڑھ
Mobile : 09811701095

باراوّل

۱۴۳۴ھ - ۲۰۱۳ء

نام کتاب	:	کتاب ''فضائل اعمال'' کا علمی اور تحقیقی جائزہ
مؤلف	:	دکتور شیخ ابوحفصہ محمد عبداللہ سلفی
صفحات	:	۷۲
تعداد اشاعت	:	۵۰۰۰
کمپوزنگ	:	عامر کمپیوٹرس، شباب مارکیٹ، لکھنؤ
طباعت	:	کاکوری آفسیٹ پریس، لکھنؤ

تقسیم کار

فاطمہ ڈرگ اسٹور، میڈیکل کالج روڈ، علی گڑھ

موبائل نمبر:09837476178

''کتاب 'فضائل اعمال' کا علمی اور تحقیقی جائزہ''

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ والصلاۃ والسلام علی رسولہ الکریم وعلی آلہ

واصحابہ اجمعین، امابعد:

بحمداللہ، شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ کی کتاب ''فضائل اعمال'' (اول اور دوم) کو اللہ نے ان کے اخلاص کی برکت سے ایسی مقبولیت بخشی ہے کہ ساری دنیا میں ان کتابوں کو پڑھا جاتا ہے اور کئی زبانوں میں اس کا ترجمہ ہو چکا ہے۔ یہ دراصل کئی چھوٹی کتب کا مجموعہ ہے جو مختلف وقتوں میں لکھی گئی تھیں۔ مثلاً ''حکایاتِ صحابہ'' (صفر-شوال ۱۳۵۷ھ)، ''فضائلِ تبلیغ'' (صفر ۱۳۵۰ھ)، ''فضائل قرآن'' (ذی الحجہ ۱۳۴۸ھ)، ''فضائل نماز'' (صفر ۱۳۵۸ھ) ''فضائل ذکر'' (شوال ۱۳۵۸ھ)، ''فضائل صدقات'' (شوال ۱۳۶۶ھ الی ۱۳۶۸ھ) وغیرہ وغیرہ۔

حضرت شیخ الحدیثؒ کا علمی مقام قابلِ تعارف نہیں ہے۔ جماعت اہل حدیث پاک وہند کے معروف ومشہور عالم ارشاد الحق اثری صاحب نے ان کو ان القابات سے یاد کیا ہے:

''بقیۃ السلف حجۃ الخلف الشیخ العلامہ محمد زکریا الکاندھلوی شیخ الحدیثؒ''

(امام بخاری پر اعتراضات کا جائزہ، ص:۹۴)

اس رسالہ میں اس کتاب پر کئے گئے چند اعتراضات کا جائزہ اور ان کے مختصر جوابات دینے کی کوشش کی گئی ہے، جس سے خود کتاب کی علمی حیثیت کا پتہ چلتا ہے۔ ان اعتراضات کو عوام میں بہت ''علمی'' رنگ دے کر پھیلایا جاتا ہے جس سے سادہ لوح عوام گمراہی کا شکار ہو جاتے ہیں۔

والسلام

ابو حفصہ محمد عبداللہ سلفی



اعتراض-۱

''فضائل اعمال'' اس وقت لکھی گئی جب شیخ الحدیثؒ کا دماغ خراب تھا۔ خود حضرت لکھتے ہیں:

''صفر ۱۳۵۷ھ میں ایک مرض کی وجہ سے چندروز کے لئے دماغی کام سے روک دیا گیا تو مجھے خیال ہوا کہ ان خالی ایام کو اس بابرکت مشغلہ میں گزاردوں''۔ (حکایات صحابہ، فضائل اعمال جلد اول، ص:۷)

جواب: اول تو معترض نے دجل سے کام لیتے ہوئے اس عبارت کو پوری کتاب پر چسپاں کرنے کی کوشش کی ہے۔ حالانکہ بیماری کے ایام میں صرف ''حکایاتِ صحابہؓ'' لکھی گئی تھی جیسا کہ ہر کتاب کی تاریخ دیکھنے سے صاف معلوم ہوتا ہے۔ دوسرے یہ کہ معترض نے شیخ پر یہ الزام لگانے کی بھی ناکام کوشش کی ہے، کہ ان کا دماغ خراب تھا (والعیاذ باللہ) جب انہوں نے یہ کتاب لکھی (شاید خود معترض کا دماغ خراب ہے)۔ حالانکہ شیخ کا دماغ بالکل درست تھا اور بیماری کچھ اور تھی جس کی وجہ سے اس وقت کے طبیبوں نے دماغی کام سے روک دیا تھا۔ لیکن مرض کیا تھا، اس کی خود شیخ نے وضاحت کردی ہے کہ وہ نکسیر کا مرض تھا (دیکھئے 'آپ بیتی' ج۱، ص:۱۷۶، 'کتب فضائل پر اشکالات اور ان کے جوابات'، ص:۲۵)۔ مزید یہ کہ ہم معترض سے پوچھتے ہیں کہ 'حکایاتِ صحابہؓ' میں کونسی بات ایسی ہے جو قرآن وسنت کے خلاف ہو؟ اگر نہیں ہے تو وہ ہمارے شیخ کی کرامت کا اعتراف کرے! کہ بیماری کی حالت میں (وہ بھی بزعمِ معترض، دماغی بیماری!!) اتنا عمدہ رسالہ لکھ ڈالا، پس اگر وہ تندرست ہوتے تو کیسا لکھتے!

اعتراض-۲

''فضائل اعمال'' ضعیف احادیث کا مجموعہ ہے اور ایسی حدیثوں کو نقل کرنا اور ان پر عمل جائز نہیں ہے۔

جواب: اس اعتراض کو بڑا 'علمی' سمجھا جاتا ہے، حالانکہ یہ اصول کے خلاف ہے اور معترض کی جہالت کی دلیل ہے۔ اس لیے کہ محدثین کا اس پر اتفاق ہے کہ فضائل میں ضعیف (غیر موضوع) احادیث مقبول اور معتبر ہیں۔ بلکہ وہ فضائل کے علاوہ، متابعات اور شواہد میں بھی ان کو معتبر جانتے ہیں۔ چنانچہ امام نوویؒ فرماتے ہیں:

''فضائل اعمال میں ضعیف حدیث پر عمل کے جواز پر علماء کا اتفاق ہے''۔

(مقدمہ 'الاربعین'۔ اسی طرح دیکھیں 'الاذکار'، ص:۸-۷)

ضعیف احادیث کو درج ذیل معتبر علماء نے بھی ذکر کیا ہے:

امام سیوطیؒ ('تدریب الراوی' ج۱، ص:۲۹۸)، ملا علی قاریؒ ('الموضوعات الکبری، ص:۵، 'المرقاۃ'، ج۲، ص:۳۸۱، 'فتح باب العنایہ' ج۱، ص:۴۹ وغیرہ)، علامہ خطیب بغدادیؒ ('الکفایہ فی علم الروایہ'، ص:۱۳۳)، امام حاکم نیساپوریؒ ('المدخل الی کتاب الاکلیل'، ص:۲۹، 'مستدرک حاکم' ج۱، ص:۴۹۰)، امام ابن ابی حاتمؒ (مقدمہ 'الجرح والتعدیل' ج۲، ص:۳۰)، علامہ عراقیؒ ('شرح الالفیہ' ج۲، ص:۲۹۱)، امام ابن رجب حنبلیؒ ('شرح علل الترمذی' ج۱، ص:۷۲-۷۴)، شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ ('مجموع فتاوی' ج۱، ص:۶۵-۶۸، ج۱۸، ص:۶۵-۶۷، 'الاختیارات العلمیہ' ص:۱۰۰)، امام احمد بن حنبلؒ ('الکفایہ للخطیب بغدادیؒ ص:۱۳۳، 'ذم الکلام للھرویؒ ج۲، ص:۱۷۹، 'شرح الکوکب المنیر' لابن نجار حنبلیؒ، ج۲، ص:۵۷۳)، امام اوزاعیؒ ('سیر اعلام النبلاء' لامام ذہبی، ج۷، ص:۱۱۴)، امام شافعیؒ ('فتح المغیث' لحافظ

سخاویؒ، ج۱،ص:۲۷۰، 'اعلام الموقعین' لامام ابن قیمؒ، ج۱،ص:۳۲،۳۱)، امام ابوحنیفہؒ ('المحلی' لابن حزمؒ، ج۳،ص:۱۶۱، 'اعلام الموقعین' لامام ابن قیمؒ، ج۱، ص:۳۲،۳۱)، امام ابن الھمامؒ ('فتح القدیر'، ج۲،ص:۱۳۹)، امام یحیٰی بن معینؒ ('فتح المغیث' لحافظ سخاویؒ، ج۱،ص:۴۹۷، 'الکامل' لابن عدیؒ، ج۱،ص:۶۶۶)، امام بیہقیؒ ('المدخل الصغیر'، ص:۳۷)، امام ابن عبدالبرؒ ('جامع بیان العلم'، ج۱،ص:۲۲)، حافظ ابن صلاحؒ ('علوم الحدیث'، ص:۹۳)، امام سخاویؒ ('فتح المغیث'، ص:۱۲۰)، امام ابن حجر الھیثمیؒ ('الفتح المبین'، ص:۳۲)، امام ابن قدامہؒ ('المغنی' ج۱،ص:۱۰۴۴)، علامہ شوکانیؒ ('نیل الاوطار'، ج۳،ص:۶۸) وغیرہ وغیرہ۔

اس کے علاوہ دیگر علماء کا بھی معمول ضعیف احادیث میں یہ بتانا ہے کہ ان کے نزدیک بھی ضعیف احادیث معتبر ہیں، مثلاً امام بخاریؒ کی بعض کتابوں میں ضعیف احادیث ہیں۔ (دیکھئے 'خلق افعال العباد' (جوکہ عقیدہ کی کتاب ہے نہ کہ فضائل!!!)، 'جزء رفع الیدین' اور 'جزء القراءۃ خلف الامام' (جو احکام کی کتابیں ہیں نہ کہ فضائل!!!)، 'الادب المفرد'، 'التاریخ الکبیر')۔ اسی طرح بہت سی دوسری کتابیں ضعیف احادیث سے بھری پڑی ہیں۔ مثلاً: 'کتاب الصحیح' (امام ابن خزیمہؒ)، 'کتاب الصحیح' (امام ابن حبانؒ)، 'جامع ترمذی' (امام ترمذیؒ)، 'المستدرک' (امام حاکمؒ)، 'الموطا' (امام مالکؒ)، کتاب 'التمیز' (امام مسلمؒ)، 'کتاب الاسماء والصفات' (امام بیہقیؒ)، 'المنتقی' اور 'الکلم الطیب' (امام ابن تیمیہؒ)، 'بلوغ المرام من ادلۃ الاحکام' (امام ابن حجر عسقلانیؒ)، 'مدارج السالکین' (امام ابن قیمؒ)، 'الکبائر' (امام ذہبیؒ)، 'سنن الدارقطنی' (امام دارقطنیؒ)، 'کتاب السنۃ' (حافظ ابی بکر الشیبانیؒ)، 'کتاب السنۃ' (امام ابی عبدالرحمٰن عبداللہ بن امام احمد بن حنبلؒ) وغیرہ وغیرہ۔

حضرت شیخؒ نے بھی اس اصول کی طرف اشارہ کیا ہے، چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

''اخیر میں اس امر پر تنبیہ ضروری ہے کہ حضرات محدثین رضی اللہ عنہم اجمعین

کے نزدیک فضائل کی روایات میں توسع اور معمولی ضعف قابل تسامح....'' (''فضائل نماز، ص:۱۰۳)۔

لہٰذا شیخ پر اعتراض کرنے والے کو چاہیے کہ پہلے ان سارے علماء پر اعتراض کرے، اس لیے کہ حضرت شیخ تو بہت بعد میں آئے ہیں۔ ان سے پہلے کتنوں نے اپنی کتابوں میں ضعیف روایات جمع کی ہیں۔ بلکہ ان بڑے بڑے علماء میں سے بعض نے تو اس پر اشارہ بھی نہیں کیا ہے کہ ان کی کتاب میں ضعیف احادیث بھی ہیں! بلکہ ان میں بعض کتابیں ایسی ہیں جن کے شروع میں صراحت کی گئی ہے کہ اس کتاب میں صرف صحیح حدیثیں ہیں!!!



اعتراض-۳

''فضائل اعمال'' میں بہت سی احادیث ایسی ہیں جن کا حضرت نے کوئی حوالہ نہیں دیا ہے اور بغیر حوالہ کے حدیث پیش کرنا بیکار ہے۔

جواب: معترض نے شاید ''فضائل اعمال'' ٹھیک سے پڑھی نہیں ہے۔اس لیے کہ شیخ نے ''فضائل قرآن'' (جو سب سے پہلے لکھی گئی تھی) میں فرمایا ہے:

''اس جگہ ایک ضروری امر پر متنبہ کرنا بھی لابدی ہے وہ یہ کہ میں نے احادیث کا حوالہ دینے میں 'مشکوٰۃ'، 'تنقیح الرواۃ'، 'مرقاۃ' اور 'احیاء العلوم' کی شرح اور منذری کی 'ترغیب' پر اعتماد کیا ہے اور کثرت سے ان سے لیا ہے، اس لیے ان کے حوالے کی ضرورت نہیں سمجھی، البتہ ان کے علاوہ کہیں سے لیا ہے تو اس کا حوالہ نقل کر دیا ہے...''۔ ('فضائل قرآن'، ص:۷)

لہٰذا اعتراض کرنے سے پہلے معترض کو چاہیے کہ کتاب کو پڑھے۔ اگر کسی حدیث کا حوالہ نہ ملے تو ان پانچ کتابوں میں دیکھ لے۔ پھر بھی نہ ملے تو پھر شیخ کو قصوروار ٹھہرائے۔

مزید یہ کہ معترض کا یہ کہنا کہ 'بغیر حوالہ کے حدیث پیش کرنا بیکار ہے'، خود ایک بیکار قول ہے۔ اس لیے کہ اگر حدیث حدیث ہے، تو اس کو صرف اس وجہ سے انکار کر دینا کہ حوالہ نہیں دیا، بڑی زیادتی ہے۔ اللہ ہم سب کو محفوظ فرمائے۔ آمین۔

اعتراض-۴

''فضائل اعمال'' میں کچھ واقعات ایسے ہیں جو ناممکنات میں سے ہیں، جن سے شرک کی بو آتی ہے، اوران سے لوگوں کے عقائد خراب ہو جاتے ہیں۔ آخرہم اپنے دین کو من گھڑت خوابوں اورافسانوں کے سہارے کیوں چلائیں؟

جواب: اول تو معترض کو معلوم ہونا چاہئے کہ ناممکنات اگر انبیاء علیہم السلام کے ہاتھوں ظاہر ہوں تو اسے 'معجزہ' کہتے ہیں اور اگر کسی ولی کے ہاتھ پر ظاہر ہوں تو اسے 'کرامت' کہتے ہیں۔ یہ ناممکنات انسان کے لیے ہوتے ہیں، لیکن اللہ کے لیے نہیں۔ اس لیے یہ بندے کی قدرت میں نہیں ہوتا، اللہ جب چاہتا ہے ظاہر ہوتا ہے، جب نہ چاہے تو لاکھ بندہ کوشش کرلے نہیں ہوسکتا۔ لہٰذا معترض اس کتاب کو مسلمانوں والے ذہن سے پڑھے نہ کہ عیسائیوں والے!

دوسرے یہ کہ سنجیدہ ہوکر معترض بتائے کہ وہ اس اصول کو سب کے لیے استعمال کرے گا یا صرف ''فضائل اعمال'' پر محض اعتراض کے لیے یہ اصول لایا ہے؟ یعنی اگر اس طرح کے (بلکہ اس سے بھی عجیب وغریب) واقعات دوسرے معتبر علماء کی کتابوں سے دکھا دیے جائیں تو کیا معترض ان پر بھی یہی اعتراض کرے گا اوران کو بھی حلولی اوراتحادی بنائے گا؟ مثالاً چند واقعات چند کتابوں سے ملاحظہ فرمائیں:

☆ ''خیر النساجؒ کا قصہ مشہور ہے جب وہ موت کے وقت (ملک الموت کو!) بول رہے تھے: 'صبر کرو اللہ تمہیں بچائے رکھے کہ تمہیں جس بات کا حکم دیا گیا ہے وہ چھوٹے گا نہیں اور ہمیں جس کا حکم ہے وہ چھوٹ جائے گا'۔ پھرانہوں نے پانی منگایا اوراس سے وضو

کر کے نماز پڑھی پھر فرمایا: 'جس کا تمہیں حکم دیا گیا اسے پورا کر دو' پھر انتقال کر گئے''۔

اب کیا کوئی یہ اعتراض کر سکتا ہے کہ، نعوذ باللہ، اس سے یہ عقیدہ نکلتا ہے کہ موت کے وقت کو اولیاء اللہ جان جاتے ہیں اور اس کو ٹال سکتے ہیں اور فرشتوں پر بھی اپنی حکومت چلا سکتے ہیں۔ شاید ''فضائل اعمال'' کا حوالہ دے کر کوئی اعتراض کر بیٹھے، لیکن عجیب بات ہے کہ یہ واقعہ تو امام ابن قیمؒ کی کتاب 'الروح' (ص:۸۲) سے نقل کیا گیا ہے!!! پر اس پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔ کیوں؟ اب ایک اور واقعہ ملاحظہ فرمائیں:

☆ ''محمد بن عباد المہلبی فرماتے ہیں کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ میں فلاں کے پاس ہوں اور حضور ﷺ کسی (اونچی چیز پر) بیٹھے ہیں اور ان کے ساتھ ابو بکرؓ ہیں اور ان کے سامنے عمرؓ کھڑے ہیں، تو عمرؓ نے فرمایا: 'یا رسول اللہ! یہ مجھے اور ابو بکر کو گالیاں دیتا ہے' تو آپ ﷺ نے فرمایا: اس کو لاؤ اے ابو حفص! تو ایک آدمی آیا اور وہ العمانی تھا، جو ان کو گالیاں دینے میں مشہور تھا۔ تو نبی ﷺ نے فرمایا: اس کو لٹا دو، تو انہوں نے اسے لٹا دیا، پھر فرمایا: اس کو ذبح کر دو، تو انہوں نے اسے ذبح کر دیا۔ آپ فرماتے ہیں کہ مجھے اس کی چیخ نے بیدار کر دیا تو میں نے کہا (اپنے دل میں)، کیوں نہ میں اسے خبر کر دوں شاید کہ وہ توبہ کر لے۔ جب میں اس کی رہائش کے قریب گیا تو رونے اور چلانے کی آوازیں آ رہی تھیں، تو میں نے کہا یہ رونا کیسا؟ لوگوں نے کہا کہ العمانی رات کو بستر پر ذبح ہو گیا۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے اس کی گردن کے قریب جا کر دیکھا تو ایک کان سے دوسرے کان تک سرخ نشان تھا جیسے جما ہوا خون''۔ (ص:۲۲۵)

یہ واقعہ اگر ''فضائل اعمال'' میں ہوتا تو شاید کفر اور شرک کی مشین تن جاتی!! پر یہاں سکوت ہی سکوت ہے! کیوں؟ صرف اس لیے کہ یہ واقعہ انہی امام ابن قیمؒ کی اسی کتاب 'الروح' میں ہے؟ اور مثالیں دیکھیں اور معترض کی خاموشی پر تعجب کریں، یا اس کے شریر اور فتین ہونے کی گواہی دیں!

☆ ''حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ ایک انصاری کے پاس تھے اور وہ

کمزور اور مریض تھا، ہم جدا نہ ہوئے یہاں تک کہ وہ مر گیا تو ہم نے اس پر کپڑا ڈال دیا اور اس کی بہت بوڑھی ماں اس کے سر کے پاس تھی ہم میں سے بعض نے اس کی طرف متوجہ ہو کر کہا: 'اے فلانی! اپنی مصیبت کو اللہ کے حوالہ کر دے'۔ وہ بولی: 'وہ کیا ہے؟ کیا میرا بیٹا مر گیا ہے؟' ہم نے کہا ہاں۔ اس نے کہا: 'کیا واقعی تم جو بول رہے ہو وہ صحیح ہے؟' ہم نے کہا ہاں۔ تو اس نے اللہ کی طرف ہاتھ اٹھائے اور بولی: 'اے اللہ! تجھے پتہ ہے کہ میں نے اسلام قبول کیا اور رسول ﷺ کی طرف ہجرت کی تا کہ تو میری ہر پریشانی اور تنگی میں مدد فرمائے، سو آج یہ مصیبت مجھ پر مت ڈال'، وہ (انس) کہتے ہیں کہ اس انصاری نے اپنے چہرے سے کپڑا ہٹایا اور ہم جدا نہ ہوئے یہاں تک کہ اس کے ساتھ ہم نے کھانا کھایا''۔

یہ واقعہ اگر ''فضائل اعمال'' میں ہوتا تو اعتراضات کا طوفان کھڑا ہو جاتا، لیکن عجیب بات ہے کہ یہ واقعہ امام ابن الجوزیؒ کی کتاب 'صفۃ الصفوۃ' (ص:۳۱۲، واقعہ ۱۵۳) میں ہے، تو ان پر کوئی اعتراض نہیں!!!

☆ ''علی بن الموفق کہتے ہیں کہ ایک دن میں اذان دینے کے لیے نکلا تو مجھے ایک پرچہ پڑا ہوا ملا، میں نے اٹھا کر اسے جیب میں رکھ لیا، اذان دی، اقامت کہی اور نماز پڑھی۔ جب نماز سے فارغ ہو گیا تو اس پرچے کو پڑھا۔ اس پر لکھا ہوا تھا: 'بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم یا علی بن الموفق، تخاف الفقر وانا ربك'. جس کا مطلب ہے کہ 'اے علی بن الموفق، کیا تو فقر سے ڈرتا ہے جب کہ میں تیرا رب ہوں؟ ('طبقات الحنابلۃ'، ج۱، ص:۲۳۱)!!

☆ ''ام ایمنؓ جب ہجرت کے لیے سفر پر نکلیں تو ان کے پاس کھانے پینے کا کوئی سامان نہ تھا، پیاس کی شدت سے وہ روزہ سے تھیں، مگر جب افطار کا وقت آیا تو انہوں نے اپنے سر پر کوئی آہٹ محسوس کی، سر اٹھایا تو دیکھتی ہیں کہ ایک سفید رسی سے ایک ڈول لٹک رہا ہے، آپ نے اس سے سیراب ہو کر پانی پیا، پھر بقیہ عمر (زندگی بھر)

انہیں کبھی پیاس نہیں لگی''۔ ('الفرقان بین اولیاء الرحمٰن واولیاء الشیطان'، ص:۲۱۲)

یہی واقعہ اگر''فضائل اعمال''میں ہوتا تو معترض نہ جانے کن الفاظ سے اس کا مذاق اڑاتا لیکن اب یہ واقعہ ایسی کتاب میں ہے جس کے مؤلف ہیں'امام ابن تیمیہؒ'!!! تو اب معترض کیا بولے؟؟

☆ قراءت کے امام، نافع بن عبدالرحمٰنؒ (جن کے بارے میں امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ'نافع قراءت میں لوگوں کے امام ہیں'اور جن کی قراءت کو امام احمد بن حنبلؒ پسند فرماتے تھے) کے بارے میں امام ذہبیؒ لکھتے ہیں:

''اور جب نافع بات کرتے تو ان کے منہ سے مسک کی خوشبو آتی تھی۔ تو ان سے کہا گیا: اے ابورویم! کیا آپ جب بھی پڑھنے بیٹھتے ہیں تو خوشبو لگاتے ہیں؟ انہوں نے فرمایا: میں نے خوشبو نہیں لگائی ہے بلکہ میں نے (خواب میں) نبی ﷺ کو دیکھا کہ وہ میرے منہ میں پڑھ رہے ہیں، بس اس وقت سے یہ خوشبو میرے منہ سے آرہی ہے''۔ ('معرفۃ القراء الکبار'، ج۱، ص:۱۰۷، اور دیکھئے'تہذیب الکمال'، ج۲۹، ص:۲۸۱ بحوالہ کتاب''کتاب فیہ اعتقاد الامام المنبل...'، تحقیق، ص:۱۰۶، ۱۰۷)

☆ امام حافظ ابوالفرج عبدالرحمٰن بن احمد بن رجب الحنبلیؒ اپنی کتاب ''اھوال القبور....''میں فرماتے ہیں:

''ابن الجوزیؒ نے ذکر کیا ہے کہ جب زریف ابوجعفر بن ابی موسیٰؒ، امام احمد بن حنبلؒ کے مرنے کے سو سال کے بعد ان کی قبر کے قریب دفن کئے گئے تو امام احمدؒ کا کفن نظر آیا جو ابھی تک تازہ تھا۔ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ جب البربہاریؒ کی قبر کھلی تو بغداد میں ایک تیز خوشبو پھیل گئی جس سے سارا شہر بھر گیا''۔ ('اھوال القبور'، ص:۷۰)

☆ اسی صفحہ پر امام ابن رجب الحنبلیؒ 'سنن ترمذی' کے حوالہ سے فرماتے ہیں:

''اصحاب الاخدود کے قصہ میں جس لڑکے کا ذکر ہے جس کو بادشاہ نے قتل کیا تھا اور سارے لوگ ایمان میں داخل ہو گئے تھے یہ کہتے ہوئے کہ: ہم اس لڑکے کے

رب پر ایمان لائے ،تو عمر بن الخطاب ؓ کے زمانے میں (اس کی قبر) ملی ،تو اس کا ہاتھ اس کے زخم پر ویسا ہی رکھا ہوا تھا جیسا مرنے کے وقت تھا"۔ ('اھوال القبور'،ص:۷۰۔اس کی تحقیق میں ہے: اس کو ترمذی نے روایت کیا (۳۳۹۸) اور البانی نے اسے صحیح کہا)

اب کوئی کہے کہ جناب کیسے پتا چلا کہ وہ ہاتھ مرنے کے وقت ویسے ہی رکھا تھا؟؟ یا اور کوئی ٹیڑھے اعتراض اس طرح سے کرے تو کیا جواب دیا جائے گا؟؟

☆ امام جلال الدین سیوطیؒ کی معروف کتاب "شرح الصدور بشرح حال الموتی والقبور" میں بھی اس طرح کے واقعات بھرپڑے ہیں۔ مثالاً چند پیش کرتے ہیں:

"شیخ عبدالغفارؒ نے 'التوحید' میں نقل کیا ہے کہ: مجھے قاضی بہاء الدین ،شرف الدین الفائزیؒ کے بیٹے نے خبر دی کہ شیخ امین الدین جبریل ان کے ساتھ راستے میں قاہرہ پہنچنے سے پہلے ہی انتقال فرما گئے۔ وہ کہتے ہیں، جب ہم قاہرہ کے دروازہ پر پہنچے، وہاں میت کو اندر داخل نہیں ہونے دے رہے تھے تو شیخ نے اپنی انگلی اور ہاتھ اٹھا دیا، تب ہم داخل ہو گئے"۔ ('شرح الصدور'،ص:۳۹۲،مطبوعہ 'دارالمنہاج' جدہ، سعودی عرب)۔

اب کوئی کہے کہ اس طرح کی بات تو کسی نبی کے ساتھ بھی پیش نہیں آئی، ایک معمولی بزرگ کے ساتھ یہ کیسے ہوسکتا ہے؟ لہٰذا امام سیوطیؒ کی اس کتاب کو بند کردیا جائے اور لوگوں کو اس کے پڑھنے سے منع کیا جائے، نیز ان پر بدعتی ہونے کا الزام لگائے تو اسے کوئی بھی تسلیم نہیں کرے گا!!!

اسی طرح اگلے صفحہ پر ایک اور واقعہ نقل فرماتے ہیں:

"اور امام قشیریؒ نے کتاب "الرسالۃ" میں اپنی سند کے ساتھ شیخ ابی سعید الخرازؒ سے نقل کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: میں مکہ میں تھا، تو باب بنی شیبۃ پر ایک نوجوان کو مرا ہوا پڑا دیکھا، جب میں نے اس کو قریب سے دیکھا تو اس نے تبسم فرمایا اور کہا: اے ابوسعید! کیا تو نہیں جانتا کہ دوست زندہ ہوتے ہیں اگرچہ وہ مر گئے ہوں، اور وہ ایک گھر سے دوسرے گھر منتقل ہوتے ہیں"۔ ('شرح الصدور'،ص:۳۹۳)۔

آگے فرماتے ہیں:

''اوراس میں (امام قشیریؒ کی کتاب 'الرسالۃ' میں) شیخ ابوعلی الروذباریؒ سے منقول ہے کہ انہوں نے ایک فقیر کو دفن کیا تو جب اس کے سر سے کفن ہٹایا کہ اس کو مٹی میں رکھ دوں تا کہ اللہ اس پر رحم فرمادے، تو اس نے آنکھیں کھولیں اور کہا: اے ابوعلی! کیا تم مجھے اس کے سامنے ذلیل کرنا چاہتے ہو جس نے مجھے راستہ دکھایا ہے؟! میں نے کہا: اے میرے آقا، کیا مرنے کے بعد بھی زندہ؟! تو اس نے کہا: بے شک، میں زندہ ہوں اور اللہ کا ہر عاشق زندہ ہی رہتا ہے، میں اپنی وجاہت سے تیری کل مدد کروں گا''۔ ('شرح الصدور'، ص: ۳۹۳)۔

اب ان واقعات پر کیا کیا اعتراضات نہیں کئے جاسکتے۔ لیکن معترض نے کبھی اس کے خلاف زبان نہیں کھولی، کبھی ان بزرگوں اور ان کی کتابوں کے خلاف بیانات نہیں دیئے..... آخر ''فضائل اعمال'' پر ہی غصہ ہے؟؟؟؟

☆ معروف غیر مقلد عالم مولوی عبدالمجید سوہدروی، ایک بڑے اہل حدیث عالم مولوی غلام رسول کے بارے میں لکھتے ہیں:

''ایک بار قلعہ میاں سنگھ میں ایک حجام آپ کی حجامت بنا رہا تھا کہ اس نے یہ شکایت کی کہ حضور! میرا بیٹا کئی سال سے باہر گیا ہوا ہے، جس کا ہمیں کچھ پتہ نہیں کہ کہاں ہے، زندہ ہے یا مر گیا ہے۔ بس ایک ہی بیٹا تھا اس کی فکر میں ہم تو مرے جارہے ہیں۔ آپ تھوڑی دیر خاموش رہے، پھر فرمایا میاں وہ تو گھر بیٹھا ہے اور روٹی کھا رہا ہے، جاؤ بے شک جا کر دیکھ لو۔ حجام گھر گیا تو سچ مچ بیٹا آیا ہوا تھا۔ بیٹے سے ماجرا پوچھا تو اس نے کہا کہ ابھی ابھی میں سکھر سندھ میں تھا، معلوم نہیں مجھے کیا ہوا اور کیوں کر طرفۃ العین میں یہاں پہنچ گیا''۔ ('کرامات اہل حدیث'، ص: ۱۲، ۱۳)

عقلمند کے لیے اشارہ کافی ہے، ورنہ پوری کتاب بھی لکھ دی جائے تو نہ ماننے والے کے لیے کچھ نہیں!!!

کوئی یہ نہ کہے کہ یہ پرانی کتابیں اب کوئی نہیں پڑھتا یا وہ چھپتی نہیں ہیں۔ یہ

ساری کتابیں مطبوعہ ہیں اور سوائے 'کرامات اہل حدیث' کے آج بھی ہمارے سعودی عرب کے مکتبوں میں موجود ہیں۔

یہ بھی ذہن میں رہے کہ ہم نے ان واقعات کو بطور دلیل نہیں پیش کیا ہے، نہ ہی ہم یہ چاہتے ہیں کہ معترض ان پر ایمان لائے۔ ہمارا مقصد یہ ہے کہ اگر معترض واقعی دیانت دار اور اپنے کلام میں سچا ہے تو جس طرح سے ''فضائل اعمال'' پر اعتراض کرتا ہے، ان واقعات اور ان مصنفین پر بھی کچھ لب کشائی کرے.....، لیکن ان شاء اللہ یہ اس سے نہیں ہو سکے گا!!!

مزید یہ کہ حضرت شیخ نے یہ واقعات اپنی طرف سے نہیں گڑھے بلکہ پرانی کتابوں سے ان واقعات کو صرف ترغیب اور عبرت حاصل کرنے کے لیے نقل کئے ہیں جیسا کہ سلف اور خلف کا معمول رہا ہے، تو معترض کو چاہیے کہ پہلے وہ ان کتابوں اور ان کے مؤلفین پر اعتراض کرے۔ یہ بھی ذہن میں رکھیں کہ شیخ نے عقائد کے فساد کا دروازہ بند کر دیا ہے، چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

''....لیکن جب تک عشق پیدا نہ ہو، اس وقت تک نہ تو ان واقعات سے استدلال کرنا چاہئے اور نہ ان پر اعتراض کرنا چاہیے...''۔ ('فضائل حج'، ص: ۲۲۴، ۲۲۵)

یہ بھی ذہن میں رہے کہ ان واقعات سے عقائد تو کجا، اعمال کے لیے بھی استدلال نہیں کیا جا سکتا! اور جیسا کہ معروف ہے عقائد میں تو ضعیف احادیث بھی حجت نہیں ہوتیں تو پھر یہ واقعات کیسے؟؟ اور اس اصول کی طرف 'فضائل اعمال' کے مؤلف نے اشارہ بھی کر دیا ہے۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

''اخیر میں اس امر پر تنبیہ ضروری ہے کہ حضرات محدثین رضی اللہ عنہم اجمعین کے نزدیک فضائل کی روایات میں توسع ہے اور معمولی ضعف قابل تسامح۔ باقی صوفیہ کرام رحمہم اللہ کے واقعات تو تاریخی حیثیت رکھتے ہی ہیں اور ظاہر ہے کہ تاریخ کا درجہ حدیث سے کہیں کم ہے''۔ ('فضائل اعمال'، ج ا 'فضائل نماز' ص: ۸۷)۔

رہا ان واقعات سے شرکیہ عقائد تو خود شیخ الحدیث نے توحید کی تعلیم پر زور دیتے ہوئے بار بار تاکیداً قرآنی آیات اور احادیث نقل کی ہیں۔ چنانچہ 'فضائل صدقات' میں توکل، اعتماد علی اللہ اور اسی کو حاجت روا اور مشکل کشا سمجھنے کے باب میں قرآنی آیات کو جمع کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''لیکن قرآن پاک میں اس کثرت سے اللہ پر اعتماد اور صرف اسی پاک ذات پر اعتماد کرنا اور مصائب اور حاجات میں صرف اسی کو پکارنا اور اسی سے مدد چاہنا، اسی پر نظر رکھنا وارد ہوا ہے، کہ بہت کم دوسرے مضامین اتنی کثرت سے وارد ہوئے ہیں''۔ ('فضائل اعمال'، ج ۲، 'فضائل صدقات' حصہ دوم، ص: ۳۰۷)۔

پھر توحید اور توکل کی اہمیت کو سمجھاتے ہوئے اکتالیس (۴۱) آیات قرآن کو بطور نمونہ پیش کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

''ان آیات پر جو ذکر کی گئیں، انتہائی غور ہونا چاہئے اور زیادہ سے زیادہ اس کی کوشش ہونا چاہئے کہ صرف حق تعالیٰ شانہ وتقدس پر ہی ہماری نگاہ ہو۔ اسی پر اعتماد ہو، اسی کی پاک ذات سے اپنا سوال ہو، اسی سے بھیک مانگی جائے، اس کے علاوہ کسی کے سامنے ہاتھ نہ پھیلے بلکہ دل میں بھی کسی دوسرے کا خیال نہ آئے، بلکہ وہی پاک ذات اور صرف وہی پاک ذات اپنا سہارا ہو۔ وہی نفع اور نقصان کا مالک دل سے سمجھا جائے...''۔ ('فضائل صدقات' حصہ دوم، ص: ۳۱۴، ۳۱۵)

اور حضرت شیخ نے ان واقعات کو قطعاً عقیدے کے لیے بطورِ دلیل پیش نہیں کیا ہے، نہ ہی 'فضائل اعمال' کو پڑھنے والے ان واقعات کو اپنے عقائد کے طور پر بیان کرتے ہیں۔ لہٰذا معترض کو چاہئے کہ اللہ سے ڈرے اور بیجا اعتراضات اور جھوٹے الزامات اور بہتان لگانے سے بچے اور خود حضرت شیخ نے ان واقعات کے سلسلہ میں تنبیہ نقل کر دی ہے۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

''ابن امیر الحاج مدخل میں لکھتے ہیں کہ اس سے بہت احتراز کرنا چاہئے کہ خواب

میں یا غیبی آواز سے جاگتے میں کسی ایسی چیز کی طرف قلب کو طمانیت اور سکون ہو جو صدرِ اول کے خلاف ہو، اسی طرح سے خواب میں دیکھنے کی وجہ سے کسی ایسی چیز کی طرف مانوس ہو جو سلف کے خلاف ہو اس سے بھی احتراز کرنا چاہئے''۔ ('فضائلِ حج'، ص:۱۴۳)

آگے ایسے خوابوں کو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر پیش کرنے کی وضاحت کے بعد امام نووی کی کتاب 'تہذیب الاسماء واللغات' کے حوالے سے فرماتے ہیں:

''...لیکن اس میں اگر کوئی چیز خواب میں احکام کے متعلق سنی تو اس پر عمل جائز نہیں ہے...''۔ ('فضائل حج'، ص:۱۴۳)

اتنی وضاحتوں کے باوجود یہ اعتراض کرنا کہ اس کتاب سے شرکیہ عقائد پھیلتے ہیں کتنی بڑی جہالت اور کم عقلی ہے۔ اللہ ہم سب کو ہر فتنہ سے محفوظ رکھے۔ آمین۔



اعتراض-۵

''فضائل اعمال'' میں بعض صحابہ (حضرت عبداللہ بن زبیرؓ اور مالک بن سنانؓ) کی طرف نبی ﷺ کے خون پینے کی نسبت کی گئی ہے ('فضائل اعمال'، ج۱،ص:۱۸۸) حالانکہ خون ناپاک ہے۔اس کے ساتھ ساتھ شیخ نے لکھا ہے کہ حضور ﷺ کا بول براز (پیشاب پاخانہ) پاک ہے! بھلا یہ کیسے ہوسکتا ہے جب کہ اسے کوئی نہیں مانتا!

جواب: سب سے پہلے یہ جاننا ضروری ہے کہ یہ واقعات (خون پینے والے) معتبر بھی ہیں یا نہیں؟ تو دیکھیں عبداللہ بن زبیرؓ کے خون پینے کا واقعہ درج ذیل علماء ومحدثین نے اپنی کتب میں ذکر کیا ہے:

امام حاکمؒ ('مستدرک حاکم'، ج۳،ص:۵۵۳)، امام بیہقیؒ ('سنن الکبریٰ'، ج۷،ص:۶۷)، امام ذہبیؒ ('سیر اعلام النبلاء'، ج۳،ص:۳۶۶)، امام نورالدین الہیثمیؒ ('مجمع الزوائد'، ج۸،ص:۲۷۰)، امام سیوطیؒ ('الخصائص الکبریٰ'، ج۲،ص:۲۵۲)، امام ابن حجرؒ ('الاصابہ' ج۲،ص:۳۱۰) وغیرہ وغیرہ۔

- حافظ نورالدین الہیثمیؒ اس واقعہ کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں: ''یہ طبرانی اور بزار کی روایت ہے اور مسندِ بزار کے تمام راوی صحیح کے راوی ہیں، سوائے ھنید بن القاسم کے اور یہ بھی ثقہ ہیں''۔ ('مجمع الزوائد'، ج۸،ص:۲۷۰)

- امام بیہقیؒ فرماتے ہیں: ''......یہ واقعہ (خون پینے کا) حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ اور حضرت سلمان فارسیؓ سے بھی متعدد سندوں سے مروی ہے''۔ ('سنن الکبریٰ'، ج۷،ص:۶۷)

- امام ذہبیؒ فرماتے ہیں: ''اس روایت کو امام ابو یعلی نے اپنی مسند میں روایت

کیا ہے اور لکھا ہے کہ میں نہیں جانتا ھنید راوی پر کسی کی جرح کو"۔ ('سیر اعلام النبلاء'، ج۳، ص:۳۶۶)

دوسرا واقعہ حضرت مالک بن سنانؓ کا ہے۔ اسے بھی امام ابن حجر عسقلانیؒ نے 'الاصابہ' میں 'ابن ابی عاصم'، 'بغوی'، 'صحیح ابن السکن' اور 'سنن سعید بن منصور' کے حوالے سے نقل کیا ہے۔ ('الاصابہ'، ج۳، ص:۲۳۵)، اسی طرح ابن عبد البرؒ نے 'الاستیعاب' ج۳، ص:۳۷۰ پر بھی ذکر کیا ہے۔ اور یہی واقعہ شیخ محمد بن عبد الوہاب نجدیؒ نے اپنی کتاب 'مختصر سیرتِ رسول ﷺ' میں ص:۴۰۲ پر نقل کیا ہے۔

لہٰذا ہم دونوں واقعات کو یوں ہی رد نہیں کر سکتے، جب کہ ان تمام معتبر علماء نے اپنی کتابوں میں ان کو ذکر کیا ہے۔

جہاں تک تعلق ہے حضور ﷺ کے بول و براز کے پاک ہونے کا، تو شاید معترض کو پتہ نہیں کہ درجِ ذیل علماء نے بھی اس کو پاک لکھا ہے:

امام ابن حجر عسقلانیؒ ('فتح الباری' ج۱، ص:۲۷۲)، علامہ بدرالدین عینیؒ ('عمدۃ القاری' ج۱، ص:۳۵)، امام نوویؒ ('شرح مہذب' ج۱، ص:۲۳۴)، ملا علی قاریؒ ('جمع الوسائل' ج۲، ص:۲)، امام سیوطیؒ ('خصائص الکبریٰ' ج۱، ص:۱۷)، علامہ ابن عابدین شامیؒ ('فتاویٰ شامی' ج۱، ص:۳۱۸) وغیرہ وغیرہ۔

احادیث مبارکہ، صحابہ کرامؓ کے عمل اور اکابر حفاظ و ائمہ علم کے متفقہ اقوال کے مقابلہ میں ہمیں اپنی رائے سے کام نہیں لینا چاہئے، بلکہ ان کو ماننا چاہئے۔ یہی دین و علم کا تقاضہ ہے۔



اعتراض-۶

''فضائل اعمال'' میں ایک من گھڑت (موضوع) حدیث ہے(ص:۴۹۷) جس میں آدمؑ کا حضور ﷺ کے وسیلہ سے دعا کا ذکر ہے، اور وسیلہ پکڑنا بالاتفاق شرک ہے۔ مزید یہ کہ یہ قرآن کے خلاف بھی ہے، اس لیے کہ قرآن میں ہے کہ اللہ نے آدمؑ کو چند کلمات عطا کیے، انہوں نے پڑھا تو اللہ نے ان کی توبہ قبول کی....

جواب: سب سے پہلے تو ہم یہ نہیں مانتے کہ یہ حدیث من گھڑت ہے گو ضعیف ضرور ہے بلکہ بعض نے اسے حسن اور صحیح کہا ہے۔ اس کو درج ذیل علماء نے اپنی کتابوں میں ذکر کیا ہے:

امام حاکمؒ ('مستدرک' ج ۲، ص:۶۱۵)، امام طبرانیؒ ('جامع الصغیر' ج ۲، ص:۸۲، اور 'جامع الاوسط' ص ۳۵۱۸)، امام بیہقیؒ ('دلائل النبوۃ' ج ۵، ص:۴۸۸)، علامہ قسطلانیؒ ('الموہب اللدنیہ' ج ۲، ص:۵۱۵)، امام ہیثمیؒ ('مجمع الزوائد' ج ۸، ص:۲۵۳)۔ اس کے علاوہ ان علماء نے بھی اپنی کتب میں اس کو ذکر کیا ہے: ابن عساکرؒ ('الدرر') اور علامہ سبکیؒ ('شفاء السقام') حافظ ابن الجوزیؒ ('الوفاء فی سیرۃ المصطفیٰ ﷺ') وغیرہ وغیرہ۔

مزید یہ کہ حضرت شیخؒ نے اس حدیث کو توسل کے لیے بطورِ دلیل نہیں پیش کیا ہے بلکہ جیسا کہ حدیث کی شرح سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف کلمہ کی فضیلت بتانے کے لیے اسے پیش کیا ہے اور جیسا کہ اوپر تفصیلاً معلوم ہو چکا ہے کہ فضائل میں ضعیف احادیث معتبر ہیں۔

دوسرے یہ کہ اس سے وسیلہ ثابت ہوتا ہے، اور وسیلہ پکڑنا بالاتفاق شرک ہے'! معترض پر تعجب ہے کہ وہ کیسی ڈھٹائی سے اتفاق نقل کررہا ہے۔ مناسب ہے کہ 'توسل' کے مسئلہ پر کچھ روشنی ڈالی جائے۔

وسیلہ یا توسل کی کئی قسمیں ہیں۔ مطلقاً وسیلہ کو شرک سمجھنے والا شاید معترض کے علاوہ امت میں کوئی نہ ہوگا! بلکہ بعض وسیلے شرک ہیں، بعض جائز (بلکہ بالاتفاق جائز!!!)، اسی طرح بعض کے بارے میں علماء نے اختلاف کیا ہے۔ بعض شرک کے ڈر سے اس کی اجازت نہیں دیتے اور بعض اجازت دیتے ہیں مگر عقائد کے صحت کی شرط کے ساتھ۔

۱۔ کسی نیک عمل کا وسیلہ لینا۔ یہ بالاتفاق جائز ہے۔ اس کی دلیل: حدیثِ غار، بنی اسرائیل کے تین آدمی غار میں داخل ہوئے، غار کا منہ چٹان سے بند ہوگیا، تینوں نے اپنے اپنے اعمال کا وسیلہ دیا اور اللہ نے ان کو نجات دیدی۔ ('صحیح بخاری' ج ۲، ص: ۸۸۳، 'صحیح مسلم' ج ۲، ص: ۳۵۳)۔

۲۔ دنیا میں موجود شخص کا وسیلہ دینا یہ بھی بالاتفاق جائز ہے۔ اس کی دلیل: حضرت عمرؓ نے حضرت عباسؓ کا وسیلہ دیا۔ ('صحیح بخاری' ج ۱، ص: ۱۳۷)۔ اسی طرح حضرت امیر معاویہؓ نے یزید بن الاسود الجرشی کا وسیلہ دیا۔ ('زیارۃ القبور والاستنجاد بالقبور' لامام ابن تیمیہؒ، ص: ۱۱۳، 'البدایہ والنہایہ' لامام ابن کثیرؒ، ج ۸، ص: ۳۲۴)۔

۳۔ اس شخص کا وسیلہ دینا جو دنیا میں موجود نہیں ہے۔ اس کا انکار بقول علامہ تاج الدین سبکیؒ کے امام ابن تیمیہؒ سے پہلے کسی نے نہیں کیا۔ ('شفاء السقام' ص: ۱۲۰، 'فتاوی شامی' ج ۵، ص: ۳۵۰، 'تفسیر روح المعانی' ج ۶، ص: ۱۲۶)۔ لیکن حقیقتاً وہ بھی ایک معنی میں اس کے قائل ہیں! جیسا کہ انہوں نے 'قاعدۃ الجلیلۃ فی التوسل والوسیلۃ' ص: ۵۶ پر ذکر کیا ہے:

"ہاں اگر کوئی اللہ سے مانگے محمد ﷺ پر اپنے ایمان اور ان سے محبت اور ان کی اطاعت نیز اتباع کے وسیلہ سے تو اس نے ایسے بڑے سبب (وسیلہ) سے مانگا ہے، جو دعاء کی قبولیت کا متقاضی ہے، بلکہ تمام وسیلوں سے بڑھ کر یہ وسیلہ ہے"۔ (!!!)

نبی ﷺ کا یا کسی اللہ کے نیک بندہ کا جو دنیا میں نہیں ہے، وسیلہ دینے کی حقیقت صرف اتنی ہے کہ ہمارے نزدیک ایک بندہ اللہ کا محبوب اور مقبول نظر آتا ہے۔ اب چونکہ اللہ والوں پر (خصوصاً نبی ﷺ پر) اللہ کی رحمتیں نازل ہوتی ہیں، اس لیے ان کا وسیلہ دینا فی الحقیقت اللہ کی رحمت کا وسیلہ دینا ہے۔ مزید یہ کہ نیک بندوں کے توسل میں ان سے محبت کو وسیلہ بنایا جاتا ہے اور نیک لوگوں سے محبت کرنا خود نیک عمل ہے لہٰذا کوئی اشکال نہ رہا، اس لیے کہ نیک عمل کا وسیلہ بالاتفاق جائز ہے۔ اب اگر کوئی کہے کہ نیک لوگ جو دنیا میں موجود نہیں ہیں ان کا وسیلہ دینے کا ذکر حدیث میں نہیں ہے، اس لئے یہ ناجائز ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر صرف حدیث کے الفاظ پر عمل کرنا ہے تو پھر صرف انہی اعمال کا وسیلہ دینا جائز ہوگا جن کا حدیث میں تذکرہ ہے! حالانکہ اس کا کوئی قائل نہیں ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جس طرح سے حدیثِ غار سے توسل بالعمل ثابت ہوتا ہے، اسی طرح مطلق توسل کا ثبوت بھی اسی سے ہے، ورنہ خاص کرنے والے اعمال کو بھی خاص کریں اور صرف ان صورتوں میں وسیلہ کو خاص کریں جن کا تذکرہ حدیثِ غار میں ہے!!!

اس کے علاوہ توسل یا وسیلہ دینے میں یہ اعتقاد رکھنا کہ نعوذ باللہ، اللہ وسیلہ کے بغیر ہماری سنتا ہی نہیں ہے، یا یہ کہ اللہ پر وسیلہ کے ذریعہ سے دباؤ (پریشر!) ڈالا جائے تاکہ وہ دعائیں قبول کر لے، یا ان کے ذریعہ سے "رکمنڈیشن" کروایا جائے، یا یہ اعتقاد ہو کہ انبیاء اور اولیاء سے اپنی حاجتیں مانگی جائیں اور ان سے فریاد کی جائے تو یہ واقعی شرک کا راستہ ہے اور اس سے خود بھی بچنا چاہئے اور دوسروں کو بھی اس سے تنبیہ کرنی چاہئے۔

اب نبی ﷺ سے (یا بزرگوں سے) توسل کو جن لوگوں نے روکا ہے، ان کا بھی مقصد یہی ہے کہ شرک اور بدعت کا دروازہ بند کر دیا جائے چنانچہ سعودی عرب کے علماء کا فتویٰ بھی اسی تفصیل کے ساتھ ہے۔ سو ان کے نزدیک بھی بعض توسل کی قسمیں جائز اور بعض سد باب کی وجہ سے ناجائز۔ نبی ﷺ کی جاہ کا وسیلہ بھی اسی قبیل

سے ہے۔(تفصیل کے لیے دیکھئے'فتاویٰ اللجنۃ الدائمہ' ج۱،ص:۴۸۹--۵۰۰) اسی فتاویٰ میں صفحہ:۴۹۹ پر توسل کی دوسری قسم کے تحت ہے:

''نبی ﷺ کی محبت اور اتباع کو اولیاء اللہ سے محبت کو وسیلہ بنائے تو جائز ہے...''۔(ج۱،ص:۴۹۹)

اب اس سلسلہ میں شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدیؒ کا فتویٰ بھی ملاحظہ فرمائیں:

''دسویں، ان کا یہ کہنا استسقاء میں کہ کوئی حرج نہیں ہے نیک لوگوں کا توسل دینے میں اور امام احمد (بن حنبلؒ) کا کہنا کہ صرف خاص نبی ﷺ کا وسیلہ دے (اوروں کا نہ دے) ان کے اس قول کے ساتھ کہ مخلوق سے استغاثہ جائز نہیں: تو فرق بہت واضح ہے اور جس پر ہم ہیں اس میں کوئی کلام نہیں، سو بعض نے نیک لوگوں سے توسل میں رخصت کی ہے (یعنی جواز کے قائل ہوئے ہیں) اور بعضوں نے اسے خاص کردیا ہے نبی ﷺ کے لیے اور اکثر علماء اس سے منع کرتے ہیں اور اسے ناپسند کرتے ہیں۔ سو یہ مسئلہ فقہی مسائل میں سے ہے، اگرچہ ہمارے یہاں (حنابلہ میں) جمہور کا قول بہتر یہی ہے کہ وہ مکروہ ہے پر اس پر عمل کرنے والے (یعنی وسیلہ پکڑنے والے کو) ہم نہیں روکتے (اس لیے کہ) اجتہادی مسائل میں انکار نہیں''۔('مؤلفات محمد بن عبدالوہاب' ج۳،ص:۶۸)

دیکھیں معترض کے اور محمد بن عبدالوہابؒ کے مسلک میں کتنا فرق ہے۔ وہ اسے فقہی اور اجتہادی مسئلہ بتارہے ہیں اور کرنے والے پر انکار بھی نہیں کررہے ہیں اور دونوں قول نقل کررہے ہیں اور یہ ہیں کہ 'شرک ہے'، 'شرک ہے' کی رٹ لگائے ہوئے ہیں!!

اب آیئے دیکھیں کہ اس تیسرے قسم کے وسیلہ کے کیا دلائل ہیں اور سلف میں اس کا کوئی قائل رہا ہے یا نہیں۔

☆ قرآن کریم سے دلیل: اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں جس کا ترجمہ ہے''اور جب پہنچی ان کے پاس کتاب اللہ تعالیٰ کی طرف سے، جو تصدیق کرتی ہے اس کتاب کو جو ان

کے پاس ہے اور وہ لوگ پہلے سے فتح مانگتے تھے کفار پر..."۔ (سورۃ البقرۃ، آیت:۸۹)

مشہور تفسیر کی کتاب "تفسیر جلالین" (ص:۱۲) میں ہے کہ: نبی ﷺ کی بعثت سے پہلے یہود کافروں کے خلاف اللہ تعالیٰ سے مدد مانگتے تھے اور یہ کہتے تھے 'اے اللہ، ہماری مدد کر دشمن کے خلاف آخری نبی ﷺ کے وسیلہ (واسطہ) سے۔

اسی طرح علامہ آلوسیؒ، مفتی بغداد، اپنی تفسیر 'روح المعانی' (ج۱،ص:۳۱۹) میں فرماتے ہیں: یہ آیتِ کریمہ بنو قریظہ اور بنو نضیر کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور وہ اوس اور خزرج کے خلاف حضور ﷺ کی بعثت سے پہلے، آپ ﷺ کے وسیلہ سے فتح طلب کیا کرتے تھے جیسا کہ حضرت ابن عباسؓ اور قتادہؒ فرماتے ہیں۔

درج ذیل کتابوں میں بھی یہی تفسیر آئی ہے: 'تفسیر کبیر' ج۳،ص:۱۸۰ (امام رازیؒ)، 'الجامع لاحکام القرآن' ج۲،ص:۲۷ (امام قرطبیؒ)، 'تفسیر القرآن العظیم' ج۱،ص:۱۲۴ (امام ابن کثیرؒ)، 'تفسیر الطبری' ج۱،ص:۴۵۵ (امام ابن جریر طبریؒ)، تفسیر 'الدر المنثور' ج۱،ص:۸۸ (امام سیوطیؒ)، تفسیر 'البحر المحیط' ج۱،ص:۴۷۱ (علامہ ابوحیانؒ)، تفسیر 'صفوۃ التفاسیر' ج۱،ص:۷۷ (علامہ صابونی)، 'تفسیر بغوی' ج۱،ص:۵۸ (امام بغویؒ)، 'بدائع الفوائد' ج۴،ص:۱۴۵ (امام ابن القیمؒ) اس کے علاوہ ان کتب میں بھی یہی بات آئی ہے: 'تفسیر ابن عباس' (ص:۱۳)، 'تفسیر خازن' (ج۱،ص:۶۴)، 'تفسیر تبصیر الرحمٰن' (ج۱،ص:۵۲) وغیرہ وغیرہ۔

اب غور کریں کہ جب یہودی نبی ﷺ کا وسیلہ دیتے تھے، تب نبی ﷺ دنیا میں موجود نہیں تھے۔ اور یہ مسلمہ اصول ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ یا نبی ﷺ پچھلے لوگوں کی بات بلا نکیر نقل کریں تو یہ اس کے جواز کی دلیل ہے۔ اب یہود کے اس فعل کا انکار قرآن یا رسول ﷺ کی حدیث سے ثابت نہیں، لہٰذا یہ اس کے جواز کی دلیل کے لیے کافی ہے۔ نبی ﷺ اب بھی دنیا میں نہیں ہیں، پس جیسے ان کے آنے سے پہلے وسیلہ دینا جائز تھا، اب بھی (بشرط صحتِ عقائد) جائز ہے۔

☆ حدیث سے دلیل: ایک شخص حضرت عثمان بن عفانؓ کے پاس ایک ضروری کام کے سلسلہ میں آیا جایا کرتا تھا اور حضرت عثمانؓ (غالباً بوجہ مصروفیت) نہ تو اس کی طرف توجہ فرماتے اور نہ اس کی حاجت براری کرتے۔ وہ شخص عثمان بن حنیفؓ سے ملا اور اس کی شکایت کی تو انہوں نے فرمایا کہ وضو کی جگہ جاؤ اور وضو کرو پھر مسجد میں جا کر دو رکعت پڑھو پھر کہو: اے اللہ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور محمد ﷺ کے وسیلہ سے تیری طرف متوجہ ہوتا ہوں جو نبی الرحمۃ ہیں..... اسی روایت کے آخر میں اس کی تصریح ہے کہ اس شخص نے ایسا ہی کیا تو دعا کی برکت سے عثمان بن عفانؓ نے اس کی تعظیم وتکریم بھی کی اور اس کا کام بھی پورا کر دیا۔ یہ حدیث درج ذیل کتب میں ہے:

'المعجم الکبیر' (ج ۹ ص: ۳۱) اور 'المعجم الصغیر' (ص: ۱۰۴) للطبرانی، 'کتاب المجروحین' (ص: ۱۹۷)، 'الترغیب والترہیب' (ج ۱، ص: ۴۷۳)، 'السنن الکبری' للنسائی (ص: ۱۶۹)، 'دلائل النبوۃ' للبیہقی (ج ۶ ص: ۱۶۶)، 'کنز العمال' (ج ۲، ص: ۷۹)۔

امام طبرانیؒ کہتے ہیں: یہ حدیث صحیح ہے ('معجم الکبیر' ج ۹، ص: ۳۱، 'معجم الصغیر' ص: ۱۰۴) اور 'ترغیب' میں علامہ منذریؒ ان کی تائید کرتے ہیں (ج ۱، ص: ۴۷۳)۔

اب معتبر کتب سے اس کا عمل بھی سلف میں ملاحظہ فرمائیں:

☆ امام ذہبیؒ، ابن عبید اللہ کے ترجمہ میں فرماتے ہیں: "حافظ ابو الربیع بن سالم فرماتے ہیں: ابو محمد بن عبید اللہ کی وفات کے وقت مصر میں قحط تھا تو جب ان کو قبر کے کنارے پر رکھا گیا اور ان کے وسیلہ سے اللہ سے بارش کی دعا مانگی گئی تو اس رات خوب بارش ہوئی....."۔ ('تذکرۃ الحفاظ' ج ۴، ص: ۱۳۷۱)۔

☆ یہی امام ذہبیؒ، شیخ الاسلام ابو محمد الحجریؒ کے ترجمہ میں فرماتے ہیں: "ابو الربیع بن سالم سے منقول ہے، وہ فرماتے ہیں: ان کی (یعنی ابو محمد الحجری کی) وفات کے وقت قحط پڑ گیا، جب ان کا جنازہ رکھا گیا اور ان کے وسیلہ سے دعا مانگی گئی تو اللہ نے بارش برسائی....."۔ ('سیر اعلام النبلاء' ج ۱، ص: ۲۵۲)

☆ علامہ خطیب بغدادیؒ اپنی سند کے ساتھ شیخ الحنابلہ ابو علی الخلال سے نقل کرتے ہیں: مجھے کوئی مشکل نہیں پیش آئی اور میں نے موسیٰ بن جعفر الکاظم کی قبر کا قصد کیا اور ان کا وسیلہ دیا، مگر اللہ نے اسے آسان کر دیا جیسا میں چاہتا تھا۔ ('التاریخ' ج۱، ص:۱۲۰)

☆ امام ابن حجر الہیثمیؒ فرماتے ہیں: "...اور ان علیہ ﷺ کا توسل دینا، سلف سے اس کی اصل ہے"۔ آگے لکھتے ہیں: "(فائدہ) جس میں ان علیہ ﷺ سے توسل طلب کرنے کے دلائل ہیں اور یہ سلف صالحین کی سیرت سے ہے"۔ ('حاشیۃ علی شرح الایضاح' ص:۴۹۱، ۴۹۲)

امام سیوطیؒ کی کتاب 'شرح الصدور بشرح احوال الموتی والقبور' کے شروع میں ان کے ترجمہ کے اخیر میں ہے:

"سو ہم سوال کرتے ہیں تجھ سے اے اللہ کہ تو ان کی قبر پر خوب برکتیں، رحمتیں اور مغفرت نازل فرما، سید الکائنات علیہ ﷺ کی جاہ (وسیلہ) سے....."۔ ('شرح الصدور'، ص:۲۷ مطبوعہ 'مکتبۃ المنہاج' جدہ، سعودی عرب)۔

اس کے علاوہ درج ذیل علماء بھی اس توسل کو جائز لکھتے ہیں:

علامہ سید سمہودیؒ ('وفاء الوفاء' ج۲، ص:۴۲۲)، علامہ تاج الدین سبکیؒ ('شفاء السقام' ص:۱۲۰)، علامہ آلوسیؒ ('روح المعانی' ج۶، ص:۱۲۸) وغیرہ وغیرہ۔

اب آیئے اکابر علماء غیر مقلدین (اہل حدیث پاک و ہند) کا موقف بھی اس مسئلہ میں ملاحظہ فرمائیں:

۱۔ نواب صدیق حسن خان قنوجی ثم بھوپالی کا موقف:

-نواب صاحب شیخ ابن عربی کے تذکرہ کے اخیر میں لکھتے ہیں (طوالت کے ڈر سے صرف مختصر ترجمہ):

"سو اللہ ان کو جزائے خیر دے ہماری طرف سے اور سارے مسلمانوں کی طرف سے..... سید اصفیاء اور خاتم انبیاء علیہ ﷺ کی جاہ (وسیلہ!) سے"۔ ('التاج المکلل'،

ص:۱۷۶۔ یہ کتاب 'مکتبہ دارالسلام' جدہ، سعودی عرب سے حاصل کی جا سکتی ہے)

-نواب صاحب اپنی ایک اور کتاب کے اخیر میں یوں لکھتے ہیں:

''خاتم النبیؐ کی جاہ اور مرتبہ کا وسیلہ پکڑنے والا...''۔('الروضۃ الندیۃ')

- علامہ وحیدالزماں فرماتے ہیں: 'نواب صدیق حسن خان نے اپنے ایک طویل قصیدے میں یہ اشعار کہے ہیں (طوالت کے ڈر سے صرف مختصر ترجمہ)

''اے میرے آقا! اے میرے سہارا اور وسیلہ آپؐ کے علاوہ میرا کوئی فریادرس نہیں، سوائے رحمۃ للعالمینؐ، میری گریہ وزاری پر رحم فرما''۔('ہدیۃ المہدی' ص:۲۰)

۲۔علامہ وحیدالزماں حیدرآبادی کا موقف:

-اپنی کتاب 'نزل الابرار' میں فرماتے ہیں:

''انبیاء اور صالحین کو وسیلہ بنانا جائز ہے اور اس میں زندہ اور مردہ دونوں برابر ہیں''۔('نزل الابرار' ص:۵)

-اپنی کتاب 'ہدیۃ المہدی' کی ابتدا میں لکھتے ہیں:

''اے اللہ، اس کتاب کی تالیف اور اس کو پورا کرنے میں میری مدد فرما ان مقدس روحوں کے وسیلہ سے جو انبیاء، صلحاء، مقرب فرشتوں میں سے ہیں خاص کر ہمارے امام حسن بن علی کی روح، اور ہمارے شیخ عبدالقادر جیلانی کی روح اور ہمارے شیخ ابن تیمیہ الحرانی کی روح.....''۔('ہدیۃ المہدی')

-مزید تفصیلی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''اللہ کی قربت حاصل کرنے کے لیے انبیاء اور صالحین کو وسیلہ بنانا ایک اختلافی مسئلہ ہے، بعض اس کو مطلقاً جائز قرار دیتے ہیں، بعض زندوں سے وسیلہ کو جائز اور مردوں سے ناجائز سمجھتے ہیں، بعض کا قول مطلقاً جواز کا ہے اور بعض صرف نبی کریم ﷺ سے جواز کے قائل ہیں، یہ آخری قول ابن عبدالسلام کا ہے اور مروزی نے ''المنسک'' میں امام احمد بن

حنبلؒ سے نقل کیا ہے کہ آپ، نبی ﷺ کو وسیلہ بناتے تھے...اور علامہ سبکی، شوکانی اور ہمارے سید (نواب صدیق حسن خان) نے تیسرا قول (یعنی مطلقاً جواز) اختیار کیا ہے اور یہی قول مختار ہے۔ ابن عطاء نے ہمارے شیخ ابن تیمیہ پر بہت سی چیزوں کا دعویٰ کیا لیکن ان میں سوائے اس کے کچھ بھی ثابت نہ کر سکے کہ شیخ کہا کرتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ سے استعانت بمعنی عبادت جائز نہیں ہے، ہاں نبی کریم ﷺ سے وسیلہ پکڑنا جائز ہے کیونکہ حضور ﷺ کی وفات کے بعد حضرت عثمان بن حنیفؓ نے اپنے پاس آنے جانے والے ایک آدمی کو دعا سکھائی جس میں ہے: "اللھم انی اسئلك، واتوجه الیك بنبینا محمد....." یہ حدیث امام بیہقی نے سندِ متصل کے ساتھ ذکر کی ہے اور اس کے تمام راوی ثقہ ہیں۔

پتہ نہیں یہ بات لوگوں کی سمجھ میں کیوں نہیں آتی کہ اللہ کی قربت کے حصول کے لیے اگر اعمال صالحہ کو وسیلہ بنانا قرآن وسنت کے نصوص سے ثابت ہے تو اس پر صالحین سے توسل کو قیاس کیوں نہیں کر لیا جاتا۔ علامہ جزری ''آدابِ دعا'' کے ذکر میں فرماتے ہیں ''ان آداب میں سے ایک ادب یہ ہے کہ انبیاء اور صالحین کو اللہ کا تقرب حاصل کرنے کے لیے وسیلہ بنایا جائے'' اور ایک دوسری حدیث میں آیا ہے کہ ''اے محمد! میں آپ کے وسیلہ سے اپنے رب کی طرف متوجہ ہوتا ہوں''۔ نواب صدیق حسن خاں نے فرمایا کہ یہ حدیث حسن ہے، موضوع نہیں، امام ترمذی رحمہ اللہ نے اسے صحیح قرار دیا ہے.....ہمارے اصحاب میں علامہ شوکانی نے فرمایا کہ ''توسل کے جواز کو صرف نبی کریم ﷺ کے ساتھ خاص کر دینے کی کوئی وجہ نہیں ہے جیسا کہ شیخ عزالدین بن عبدالسلام (امام ابن تیمیہؒ) کا خیال ہے، اہل علم اور اہل فضل کو اللہ کی طرف وسیلہ بنانا درحقیقت ان کے اعمالِ صالحہ کو وسیلہ بنانا ہے.....'' حضرت مولانا شاہ اسماعیل شہید رحمہ اللہ نے ''تقویۃ الایمان'' میں فرمایا کہ آدمی اس طرح کہے تو جائز ہے ''اے اللہ! میں فلاں ولی کے وسیلہ سے آپ سے سوال کرتا ہوں.....'' ('ہدیۃ المہدی' ص: ۴۷، ۴۹)

یہ تفصیل ان معترضین کے اکابر کی کیا بتا رہی ہے؟ کیا معترض ان پر بھی شرک کا

حکم لگائے گا یا سکوت اختیار کر جائے گا؟

۳۔ شاہ اسماعیل شہیدؒ کا موقف:

-"نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے توسل سے اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کرنا ایک ایسا راستہ ہے جس کو طے کرنا اہل معرفت اور سالکین کے لیے آسان ہے، آپ کے توسل کے بغیر انسان راستہ میں اندھی اونٹنی کی طرح بھٹکتا رہتا ہے"۔ ('منصب امامت' ص:۴)

-مزید فرماتے ہیں:

"نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت درحقیقت رفع درجات کا اور آپ سے توسل نجات کا سبب ہے"۔ ('منصب امامت' ص:۷۳)

-آگے فرماتے ہیں:

"خلاصہ کلام یہ کہ ان اولیاء اللہ سے توسل کو ترک کر دینا ایک فاسد خیال اور ایک باطل وہم ہے"۔ ('منصب امامت'، ص:۷۳)

۴۔ مولانا ابوالمکارم محمد علی کا موقف:

-"'یارسول اللہ' کہہ کر اگر آپ ﷺ کا وسیلہ بنانا مقصود ہے تو جائز ہے، اسی طرح اگر کوئی کہے کہ یارسول اللہ! میں فلاں مشکل سے چھٹکارا حاصل کرنے میں آپ کو اللہ کی طرف وسیلہ بناتا ہوں تو بھی جائز ہے...."۔ ('الجوابات الفاخرۃ'، ص:۶۵)

۵۔ قاضی محمد بشیر سہسوانی توسل کی جائز قسموں کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

-"تیسری قسم یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو وسیلہ بنایا جائے، آپ کی رسالت پر ایمان رکھتے ہوئے.... چھٹی قسم یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ پر درود کو وسیلہ بنایا جائے...."۔ ('صیانۃ الانسان عن وسوسۃ الشیخ دحلان'، ص:۲۰۴، ۲۰۶)

اب کوئی یہ نہ کہے کہ یہ حضرات معتبر علماء میں سے ہیں ہیں!! جہاں تک تعلق

ہے غیر مقلدین کا (جو پاک وہند میں اپنے آپ کو'اہلحدیث' کا لقب دیتے ہیں) تو یہ پانچوں حضرات اس جماعت کے بڑے علماء میں شمار ہوتے ہیں۔ چونکہ 'فضائل اعمال' پر اکثر معترضین اسی جماعت سے تعلق رکھتے ہیں، اس لیے ہماری ان سے گزارش ہے کہ ذرا اس کا بھی تعاقب کریں اور اس پر بھی کچھ فتوی آئے۔ لیکن ان شاء اللہ قیامت تک سکوت کے سوا کوئی جواب نہیں بن پڑے گا!!!

یہ علماء جماعت غیر مقلدین میں معتبر ہیں، اب اس کے دلائل بھی ملاحظہ فرمالیں، تاکہ کسی کو موقع نہ ملے انکار کرنے کا!

ا۔ 'نواب صدیق حسن خان': آپ محتاج تعارف نہیں، جماعت غیر مقلدین میں ان کی حیثیت علامہ اور امام کی ہے۔

مشہور کتاب 'جھو دِمخلصہ' کے غیر مقلد مؤلف ان کے بارے میں لکھتے ہیں:

''اور اس علمی اور اصلاحی تحریک (یعنی تحریک'اہل حدیث') کی قیادت اپنے زمانہ کی دو مجدد شخصیتوں نے فرمائی، ایک نواب صدیق حسن خان اور دوسرے مولانا نذیر حسین محدث دہلوی'' ('جھو دمخلصہ'، ص:۹۳)

- اسی طرح کتاب 'الروضۃ الندیۃ' میں ان کے لیے یہ القاب استعمال کئے گئے ہیں:

"السید الامام' 'العلامۃ الھمام' 'أبو البطین' 'الحائز الشریفین' 'السامی علی الفرقدین' 'صدر العلماء المسندین' 'عظیم المقدار' 'الذی افتخرت به بوفال علی جمیع الأقطار' وانتشرت بجوده علوم السنة والآثار". ('الروضۃ الندیۃ' ص:۱۱)

- صاحب 'الرحیق المختوم' مولانا صفی الرحمٰن مبارک پوری نے ان کے بارے میں یہاں تک لکھ دیا: ''آپ نے آفاق کو علم ومعرفت سے بھر دیا''۔

- ان کی کتاب 'التاج المکلل' کے ناشر 'مکتبہ دارالسلام' کے مدیر 'عبدالمالک مجاہد' ان کو 'فضیلۃ الشیخ العلامہ' کا لقب دیتے ہیں۔ ('التاج المکلل'، ص:۵)

- آج کل کے معروف غیر مقلد عالم مبشر ربانی نے ان کا شمار اکابرین میں

کیا ہے۔(دیکھئے'' آپ کے مسائل اوران کا حل...'' ج۲،ص:۱۸۱)

-عبدالرشید عراقی ان کے بارے میں لکھتے ہیں:

''مولانا سید نواب صدیق حسن خان..کی ذات محتاجِ تعارف نہیں..آپ نے تفسیر، حدیث، عقائد، فقہ، تقلید، سیاست، تاریخ وسیر، مناقب، علوم وادب، تصوف واخلاق اور تردیدِ شیعیت پر عربی، فارسی اور اردو میں ۲۲۲ کتابیں لکھیں''۔('حدیث کی نشرواشاعت میں علمائے اہل حدیث کی خدمات'،ص:۷۸)

۲۔'نواب وحیدالزماں حیدرآبادی'

-آپ کے تعارف کے لیے اتنی بات کافی ہے کہ آپ قرآن کے مترجم ومفسر اور صحاح ستہ کے مترجم کی حیثیت سے جانے جاتے ہیں۔

-معروف غیر مقلد عالم، مولانا محمد ابراہیم سیالکوٹی، جوکہ جماعت 'اہل حدیث' میں 'امام العصر' کے لقب سے یاد کئے جاتے ہیں، ان نواب صاحب کا شمار شیخ الکل میاں نذیر حسین دہلوی کے خصوصی تلامذہ میں کرتے ہیں۔(دیکھئے 'تاریخ اہل حدیث'،ص:۴۸۱)

-مولانا بدیع الدین راشدی (جن کو زبیر علی زئی نے اپنا استاذ مانا ہے) ان کے بارے میں لکھتے ہیں:

''نواب عالی جناب، عالم باعمل، فقیہ وقت، محبّ السنہ وحیدالزمان بن مسیح الزمان الدکنی''۔('ہدایۃ المستقیم' ترجمہ 'فتح المجید'ص:۱۰۳)

-ایک اور معروف غیر مقلد عالم مولانا عبداللہ روپڑی ان کو محدث حیدرآباد کے لقب سے یاد کرتے ہیں۔(دیکھئے 'فتاوی اہل حدیث' ج۲،ص:۲۳)

-عبدالرشید عراقی ان کے بارے میں لکھتے ہیں:

''مولانا وحیدالزمان بن مولانا مسیح الزمان کا شمار ان علمائے اہل حدیث میں ہوتا ہے جو حدیث کے تراجم میں صفِ اول کے علماء میں سب سے اول نمبر تھے۔آپ نے حدیث کی خدمت ایک نئے رنگ میں کی....''۔('حدیث کی نشرواشاعت میں

علمائے اہل حدیث کی خدمات' ص:۹۶)

بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ نواب وحید الزمان صاحب نے یہ کتابیں جب لکھی تھیں جب وہ حنفی تھے حالانکہ خود کتاب کے اندر جو مسائل ہیں، وہ جماعت 'اہل حدیث' کے ہیں اور صاف وضاحت ہے کہ یہ اہل حدیث کا مسلک ہے۔ مزید یہ کہ نواب صاحب کی دونوں کتابیں ('ہدیۃ المہدی' اور 'نزل الابرار') جامعہ سلفیہ کے زیرِ اہتمام چھپیں ایک کتاب کے مطابق، فقہ اہل حدیث کی کتابیں ہیں (دیکھئے'...اہل حدیث کی تصنیفی خدمات' ص:۲۵۳، ۲۱۷، مطبوعہ جامعہ سلفیہ بنارس)۔

۳۔ 'شاہ اسماعیل شہید'

-جماعت غیر مقلدین کے شیخ الکل میاں نذیر حسین دہلوی فرماتے ہیں:

''میں اس دادا (شاہ ولی اللہ دہلوی) اور اس پوتے (شاہ اسماعیل شہید) کا معتقد ہوں...ان دونوں کی تحریروں سے فیضانِ الٰہی ابل ابل کر ظاہر ہوتا ہے''۔ ('الحیاۃ بعد الممات' ص:۱۶۷)

-مشہور کتاب 'جھو دِ مخلصہ' کے غیر مقلد مؤلف ان کے بارے میں لکھتے ہیں:

''فرقہ غیر مقلدین کے فکری اور علمی قائد، صاحب السیف والقلم امام شاہ اسماعیل دہلوی....''۔ ('جھو د مخلصہ' ص:۸۷)۔

- معروف غیر مقلد عالم طالب الرحمٰن نے انہیں ''الامام العالم الربانی'' اور ''الداعیۃ المجاہد'' اور ''مجد دِ وقت'' جیسے القاب سے یاد کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

''..اس تحریک کے امام اور داعی امام شاہ اسماعیل شہید...''۔ ('الدیوبندیہ' ص:۱۳)

-مولانا محمد ابراہیم سیالکوٹی ان کے بارے میں لکھتے ہیں:

''آپ ائمہ دین و فقہائے متقین اور بلند پایہ محدثین میں سے ہوئے ہیں... سرزمین ہندو پاکستان میں ان دونوں بزرگواروں کی مثال جو اپنے پیر کے دو وزیروں کی طرح تھے، ان بارہ سو سال میں کم ملتی ہے...''۔ ('تاریخ اہل حدیث' ص:۴۶۶، ۴۶۷)

۴۔ 'مولانا ابوالمکارم محمد علی'

-ان کا شمار ان علماء 'اہل حدیث' میں ہوتا ہے جنہوں نے فتنہ انکارِ حدیث کی تردید اور دفاعِ حدیث میں خدمات انجام دیں۔ ('حدیث کی نشر و اشاعت میں علمائے اہل حدیث کی خدمات'، ص:۱۳۴)

-'جہود مخلصہ' کے غیر مقلد عالم ان کے بارے میں لکھتے ہیں:

''شیخ، محدث، علامہ ابوالمکارم محمد علی بن علامہ فیض اللہ (۱۲۷۶-۱۳۵۲ھ) ہندوستان کے بڑے علماء میں سے تھے، کتاب وسنت پر آپ کو عبور حاصل تھا، میاں نذیر حسین سے سندِ فراغت حاصل کی، احیاء سنت اور عقیدہ سلفیہ کی نشر و اشاعت میں نیز اس کے دفاع میں بڑی قربانی دی''۔ ('جہود مخلصہ'، ص:۱۴۴)

۵۔ 'قاضی محمد بشیر سہسوانی'

- آپ کا شمار فرقہ 'اہل حدیث' کے شیخ الکل، میاں نذیر حسین دہلوی کے جید تلامذہ میں ہوتا ہے اور آپ بھوپال میں شعبہ دینیات کے صدر رہتے۔ (دیکھئے 'حدیث کی نشر و اشاعت میں علمائے اہل حدیث کی خدمات'، ص:۵٦، اور 'جہود مخلصہ'، ص:۱۰۲)

ہمیں یہ تفصیل مجبوراً نقل کرنی پڑی، تاکہ معترض اس کو ذہن میں رکھے اور جب بھی 'فضائل اعمال' پر اعتراض کرنا چاہے، سب سے پہلے اپنے گھر کی خبر لے، اور کوئی حکم ان کے بارے میں بھی جاری کرے!!!

الغرض افراط اور تفریط سے خالی ہوکر توسل کے صحیح طریقہ کو اختیار کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اللہ ہم سب کو صحیح سمجھ عطا فرمائے اور دین میں افراط اور تفریط سے بچائے۔ آمین۔

معترض پر تعجب ہے کہ اس کا یہ دعویٰ ہے کہ یہ حدیث قرآنی آیت کے خلاف ہے!!! حالانکہ حدیث قرآن کے خلاف نہیں بلکہ قرآن کی تفسیر ہوتی ہے۔ قرآن میں جو ہے کہ آدمؑ کو چند کلمات عطا کئے گئے جن کے پڑھنے پر اللہ نے ان کو معاف کردیا۔

اب یہ کلمات اللہ کی طرف سے کب اور کیسے عطا ہوئے، اس کے بارے میں قرآن نے کچھ نہیں کہا ہے، یہی تفصیل ہمیں حدیث سے معلوم ہوتی ہے۔ اور سمجھنے کی بات ہے کہ آدمؑ نے کیسی کیسی دعائیں اور التجائیں کی ہوں گی جس کے بعد اللہ نے ان کی سنی اور وہ کلمات عطا کئے جس سے ان کی مغفرت ہوئی۔

اس حدیث میں یہ قطعاً نہیں ہے کہ وسیلہ دینے کے بعد اللہ نے ان کو معاف کر دیا۔ اگر ایسا ہوتا تو یقیناً ہم سوچتے کہ شاید تعارض ہے، لہٰذا ضعیف حدیث کو رد کر دیا جائے۔ پرصورت حال اوپر کی تفصیل سے بحمد اللہ واضح ہوگئی ہے اور تعارض کا دعویٰ کھوکھلا ہے۔



اعتراض-۷

''فضائل اعمال'' میں خضرؑ کا تذکرہ ملتا ہے کہ وہ لوگوں سے ملتے ہیں اور نظر بھی آتے ہیں، وغیرہ وغیرہ۔ جب کہ یہ عقیدہ بالکل اسلام کے خلاف ہے، اور 'تصرف فی الکون' جیسے شرکیہ عقیدہ کی مثال ہے۔ایسے سارے واقعات من گھڑت ہیں اور کسی معتبر کتاب نے ان کو نہیں نقل کیا ہے۔

جواب: معترض خضرؑ کے واقعات کو اسلامی عقیدہ کے خلاف سمجھتا ہے اور شرکیہ عقائد کی مثال قرار دیتا ہے، تو عرض ہے کہ نہ تو یہ مسئلہ اصولی عقائد کا ہے اور نہ ہی یہ شرک ہے۔ سعودی عرب کے علماء کے مطابق خضرؑ کی حیات کے بارے میں بہتر قول یہی ہے کہ وہ زندہ نہیں ہیں (دیکھئے 'فتاوی اللجنۃ الدائمہ' ج ۳، ص: ۲۸۴-۲۸۸) جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ اس میں مختلف اقوال ہیں لیکن بہتر یہ ہے۔ اگر یہ مسئلہ اصولی عقائد کا ہوتا تو یہ علماء اسے 'بہتر' کے بجائے معترض کی طرح 'کفر' یا 'شرک' کا حکم لگاتے!!!

واقعات کو ذکر کرنے سے پہلے اس مسئلہ میں علماء کا مسلک ملاحظہ فرمائیں:

۱.....امام ابن حجر عسقلانیؒ اپنی مشہور و مقبول شرح بخاری 'فتح الباری' میں فرماتے ہیں:

''ابن صلاحؒ نے کہا کہ جمہور علماء کے نزدیک وہ زندہ ہیں.... اور نوویؒ نے بھی یہی کہا ہے اور بڑھایا انہوں نے (یعنی امام نوویؒ نے) کہ یہ صوفیہ اور اہل صلاح کے یہاں متفق علیہ بات ہے اور ان کو دیکھنے اور ان سے ملنے کے واقعات اتنے ہیں کہ ان سب کا احاطہ دشوار ہے....''۔ ('فتح الباری' کتاب الانبیاء، ص: ۵۰۰۔ جو عبدالقادر شیبۃ الحمد، مدرس مسجد النبوی کی تحقیق کے ساتھ اور امیر سلطان بن عبدالعزیز کے نفقہ سے چھپی ہے)۔

اس کے بعد امام ابن حجرؒ نے اس سلسلہ کی روایات اور کچھ حکایات بھی نقل کی

ہیں۔(تفصیل کے لیے دیکھئے،ص:۴۹۹-۵۰۲)

۲.....ملاعلی قاریؒ اپنی شرح 'عمدۃ القاری' میں فرماتے ہیں:

''....تو جمہور خصوصاً مشائخ طریقت اور حقیقت اورارباب مجاہدات اور مکاشفات، کے نزدیک وہ زندہ ہیں...اوران کو دیکھا ہے عمر بن عبدالعزیز، ابراہیم بن ادہم، بشر حافی، معروف کرخی، سری سقطی، جنید(بغدادی)اورابراہیم خواص وغیرہ نے''۔ ('عمدۃ القاری' ج۱۵، کتاب احادیث الانبیاء، باب ۲۸، ص:۴۱۳)

۳....اسی مسلک کی طرف امام قرطبیؒ نے اپنی تفسیر میں اشارہ کیا ہے۔(دیکھئے 'جامع لاحکام القرآن' ج۱۱،ص:۲۸)

مزید معترض کی جہالت دیکھیں کہ وہ کہتا ہے کہ کسی معتبر کتاب نے انہیں نہیں نقل کیا ہےاورسب کے سب من گھڑت ہیں۔اب درج ذیل واقعات معتبر کتب سے ملاحظہ فرمائیں:

ا۔امام ابن رجب حنبلیؒ فرماتے ہیں:

''اور کتاب 'الافصاح'، اس میں بڑے عجیب فوائد ہیں۔ اوراس میں ہے کہ: خضرؑ جو موسیٰؑ کو ملے تھے،ان کے بارے میں بعض نے کہا ہے کہ وہ فرشتہ تھےاور بعض نے کہا کہ وہ انسان تھےاور یہی صحیح ہے، پھر بعض نے کہا کہ وہ نیک بندے ہیں نبی نہیں اور بعض نے کہا بلکہ وہ نبی ہیں اور یہی صحیح ہے،اور ہمارے (حنابلہ) کے نزدیک صحیح یہ ہے کہ وہ زندہ ہیں اور ایسا ہوسکتا ہے کہ وہ کسی کے دروازہ پر آ کھڑے ہوجائیں....جیسا کہ مجھے خبر دی ہے محمد بن یحییٰ الزبیدی نے اوران سے کئی واقعات ذکر کئے جو خضرؑ کو دیکھنے اوران سے ملاقات کرنے پر دلالت کرتے ہیں''۔('طبقات الحنابلہ' ج ا،ص:۲۷۷)

۲۔اسی طرح اسی کتاب 'طبقات الحنابلہ' میں ایک تفصیلی واقعہ امام احمد بن حنبلؒ نے امام بغویؒ کو اورانہوں نے ابوطیبؒ کو بتایا، جس میں امام احمد بن حنبلؒ کے کسمپرسی کی حالت میں سفر حج کا تذکرہ ہے، جس میں ایک انجان آدمی ان کی مدد کرتا ہے اخیر میں ہے: ''ابوطیب نے بغوی سے پوچھا: آپ اس آدمی کو پہنچاتے ہیں؟ توانہوں نے

جواب دیا کہ میرے خیال سے وہ خضرؑ تھے''۔ ('طبقات الحنابلہ' ج۱،ص:۱۹۱)

۳۔مزید ایک اور عجیب واقعہ امام ابن رجب حنبلیؒ، امام ابن الجوزیؒ کے حوالے سے بیان کرتے ہیں... جس میں خضرؑ ایک صاحب کے پاس آ کران کی باقی عمر بتاتے ہیں، کہ تم اتنے سال زندہ رہو گے!!! (دیکھئے'طبقات الحنابلہ'ج۱،ص:۲۴۰)

۴۔خود امام ابن الجوزیؒ نے اپنی کتاب میں تفصیلی واقعہ ایک صاحب کے خضرؑ کو دیکھنے کا ذکر کیا ہے۔ (دیکھئے'صفۃ الصفوہ' ج۲،ص:۱۹۷)

۵۔امام ذہبیؒ ریاح بن عبیدہ سے نقل فرماتے ہیں.. جس میں عمر بن عبدالعزیزؒ کا خضرؑ سے ملنے کا ذکر ہے۔ (دیکھئے'سیر اعلام النبلاء' ج۵،ص:۱۲۲)

۶۔ابوالفرج حنبلیؒ کے تذکرہ میں امام ذہبیؒ فرماتے ہیں:''کہا جاتا ہے کہ انہوں نے خضرؑ سے دوبار ملاقات کی تھی۔ (دیکھئے'سیر اعلام النبلاء' ج۱،ص:۵۳)

۷۔معروف غیر مقلد عالم نواب صدیق حسن خان لکھتے ہیں: بعض صالحین نے کہا ہے بعض مفاوض میں مجھ کو عطش شدید ہوا یہاں تک کہ میں تلف (یعنی موت) سے ڈرا اورمرنے کے لیے مستعد ہو بیٹھا اتنے میں آنکھ لگ گئی۔ ایک کہنے والے نے کہا کہ تین بار"یالطیفا بخلقه یا علیما بخلقه یا خبیرا بخلقه الطف بی یا لطیف یا علیم یا خبیر" یہ تحفہ ابد ہے۔ جب تجھ کو کچھ تنگی پیش آوے یا کوئی نازلہ نازل ہوتو اس کو کہا کرے۔ یہ کہنا کافی شافی ہوگا۔ میں نے پوچھا: تم کون ہو؟ اس نے کہا: میں خضر ہوں''۔ ('کتاب التعویذات' ص:۹۱)

اسی طرح تفسیر کی کتابوں میں بھی اس طرح کی روایات اور واقعات کو ذکر کیا گیا ہے۔ مثلاً دیکھئے امام سیوطیؒ کی تفسیر'الدر المنثور' (ج۵،ص:۴۰۹-۴۳۵) امام ابن کثیرؒ کی تفسیر'القرآن العظیم' (ج۹،ص:۱۷۹،۱۸۰) وغیرہ۔

اب دیکھنا ہے کہ اعتراض کرنے والے ان کتابوں کو بھی 'کفر' اور'شرک' کے احکامات کا نشانہ بنائیں گے یا صرف 'فضائل اعمال' اور 'تبلیغی جماعت' سے نفرت ہے؟؟!!

اعتراض-۸

کتاب ''فضائل اعمال'' میں بہت سے بزرگوں کے بارے میں ہے کہ وہ اتنے اتنے قرآن ختم کرتے تھے اور اتنی اتنی تسبیح پڑھتے تھے... حالانکہ یہ نبی ﷺ سے ثابت نہیں ہیں، لہٰذا بدعت اور گمراہی ہیں....

جواب: یہ معترض کی انتہائی جہالت اور کم عقلی کی دلیل ہے کہ وہ ایک عبادت میں کثرت کو بدعت اور گمراہی قرار دیتا ہے۔ اللہ ہم سب کو صحیح سمجھ عطا فرمائے اور ایسی بیکار باتوں سے متاثر نہ ہونے والا بنادے۔ آمین

اب بعض دوسری معتبر کتابوں سے اسلاف کی عبادات اور اذکار میں کثرت کے تذکرہ کو ملاحظہ فرمائیں تاکہ معترض کے جھوٹ کا پردہ چاک ہو جائے۔

۱۔ ابوالحسینؒ فرماتے ہیں کہ یحیٰ بن اکثمؒ نے فرمایا: میں وکیعؒ کی صحبت میں ان کے ساتھ سفر اور حضر میں رہا، وہ دن میں ہمیشہ روزہ رکھتے اور ہر رات میں قرآن ختم کرتے۔ ('طبقات حنابلہ' ج ا،ص:۳۹۲)

۲۔ اسی طرح زکریا بن یحیٰ ابی یحیٰ الناقد البغدادی الحنبلیؒ کے ترجمہ میں فرماتے ہیں: ''ابوزرعۃ الطبری نے کہا کہ ابو یحیٰ الناقد نے کہا: میں نے اللہ تعالیٰ سے ایک حور چار ہزار (قرآن) ختم میں خریدی...''۔ ('طبقات حنابلہ' ج ا،ص:۱۵۹)

۳۔ علامہ خطیب بغدادیؒ محمد بن عبدالرحمٰن بن شبرمۃ الضبی کے ترجمہ میں فرماتے ہیں'' ...اور وہ گرمیوں کے لمبے دنوں میں روزانہ چار قرآن ختم کرتے تھے اور پانچواں سورۂ براءت تک پڑھتے تھے (یہاں تک کہ) موذن عصر کی اذان کہتا...''۔ ('التاریخ' ج ۲،ص:۳۱۵)

۴۔اسی طرح سے امام شافعیؒ کے ترجمہ میں وہ فرماتے ہیں: ''ربیع بن سلیمان سے منقول ہے وہ فرماتے ہیں کہ امام شافعیؒ ہر رات کو ایک ختم کرتے تھے، اور جب رمضان آتا تو ہر رات کو ختم کرتے اور دن میں بھی کرتے۔تو رمضان کے مہینے میں ساٹھ ختم کرتے''۔('التاریخ' ج۲،ص:۶۳)

۵۔اسی طرح ابوبکر بن عیاش کے ترجمہ میں ہے کہ وہ خود ایک کمرے کا تذکرہ کرتے ہیں....کہ میرا اس میں ساٹھ سال سے دن اور رات میں ہر روز ایک قرآن ختم کرنے کا معمول ہے۔('التاریخ' ج۱۴،ص:۳۸۲)

۶۔امام ابن الجوزیؒ،مصعب بن ثابت بن عبداللہ بن الزبیر کے بارے میں فرماتے ہیں: ''...اور مصعب دن اور رات میں ایک ہزار رکعت نماز پڑھتے تھے اور دن میں روزہ رکھتے تھے...''۔('صفۃ الصفوۃ' ج۲،ص:۱۹۷)

۷۔امام ذہبیؒ مسبح بن سعید سے نقل کرتے ہیں،وہ فرماتے ہیں: ''محمد بن اسماعیل رمضان کے ہر دن میں ایک ختم کرتے تھے اور رات کو تراویح کے بعد نماز میں تین راتوں میں ختم کرتے تھے''۔(یعنی پورے رمضان میں تقریباً چالیس قرآن ختم کرتے تھے!!!)(دیکھئے'سیر اعلام النبلاء' ج۱۲،ص:۴۳۸)

۸۔امام سبکیؒ امام ابوالحسن اشعریؒ کے بارے میں لکھتے ہیں: ''بیس سال تک انہوں نے صبح کی نماز شام کے وضو سے پڑھی''۔(دیکھئے'طبقات الشافعیۃ' ج۳،ص:۳۴۸)

۹۔امام نووی کے بارے میں کتاب 'الفتح المبین' کے شروع میں ان کے مختصر ترجمہ میں ہے:

''...اور وہ دن اور رات میں صرف ایک وقت کھاتے تھے عشاء کے بعد، اور سحر کے وقت سحری کے لیے کچھ پی لیتے تھے...اور کسی سے ہدیہ قبول نہیں کرتے تھے...اور وہ (اللہ ان پر رحمت کرے) نوی میں دفن کئے گئے، اور ان کی قبر مشہور ہے، جس کی زیارت کی جاتی ہے، اور جس کا نیک لوگ قصد کرتے ہیں''۔('الفتح المبین'

ص:۲۷،مطبوعہ 'دارالمنہاج' جدہ، سعودی عرب)

۱۰۔شیخ محمد بن عبدالوہابؒ فرماتے ہیں: اور ہر سات دن میں ختم کرنا (قرآن) مستحب ہے، عبداللہ بن عمرؓ اور اوس بن حذیفہؓ کی حدیثوں کی وجہ سے جسے ابوداؤد نے روایت کیا ہے۔ اور ان سے منقول ہے کہ وہ (مدت) غیر محدود ہے اور نشاط اور قوت پر موقوف ہے، کیونکہ عثمانؓ ہر رات میں ختم کرتے تھے"۔('مؤلفات محمد بن عبدالوہاب' ج۲،ص:۱۵۸)

لہٰذا معترض خدا کا خوف کرے اور بے دھڑک 'شرک' اور 'بدعت' کے احکامات لگانے سے گریز کرے۔



اعتراض-۹

''فضائل اعمال'' میں کعبہ کا بانی اول آدمؑ کوقرار دیا گیا ہے، حالانکہ چھوٹے بچے بھی جانتے ہیں کہ کعبہ کو سب سے پہلے ابراہیمؑ نے بنایا تھا۔ جب شیخ الحدیث کا یہ حال ہے تو بیچارے عوام کا کیا پوچھنا!!!

جواب: 'فضائل اعمال' میں کعبہ کے بانی اول کے بارے میں جو تفصیل ہے اس میں خیانت کرتے ہوئے معترض نے اپنی جہالت کے ساتھ ساتھ اپنے خائن ہونے کا بھی ثبوت دیا ہے۔

اس کا کہنا ہے کہ شیخ نے صرف آدمؑ کو بانی اول ذکر کیا ہے، حالانکہ 'فضائل اعمال' میں یوں ہے: ''بیت اللہ شریف کی سب سے پہلی بناء میں اختلاف ہے، کہ حضرت آدمؑ نے بنایا یا اس سے پہلے فرشتوں نے بنایا تھا حتی کہ بعض نے کہا ہے کہ زمین کی سب سے پہلے ابتدا اسی جگہ سے ہوئی کہ پانی پر ایک بلبلہ کی شکل تھی جس سے پھر بقیہ زمین کا حصہ پھیلایا گیا لیکن حضرت نوحؑ کے زمانہ میں جب طوفان آیا تو یہ مکان اٹھا لیا گیا تھا اس کے بعد حضرت ابراہیمؑ نے حضرت اسماعیلؑ کی مدد سے اس کی تعمیر کی جس کا ذکر پہلے پارہ میں...''۔ ('فضائل اعمال' ج ۲ ('فضائل حج، ص:۸')

تو بحمد اللہ حضرت شیخ نے جو اس سلسلہ سے مختلف اقوال تھے ان کا تذکرہ کیا ہے۔ مزید یہ کہ معترض کی جہالت دیکھیں کہ وہ ایسی بات کرتا ہے گویا اس نے سچ کے سوا کچھ نہیں کہا ہے! اور کہتا ہے کہ ''بچوں کو بھی پتہ ہے کہ بانی اول ابراہیمؑ تھے''! شاید معترض کے بچے ایسا ہی جانتے ہوں!!! ورنہ تاریخی اعتبار سے تو اختلاف ہے۔ اس کے لیے تاریخ کی معتبر کتابیں دیکھی جا سکتی ہیں۔

مثال کے طور پر کتاب 'تاریخ مکہ' (جو تیسری صدی ہجری کے عالم ابوالولید الازرقیؒ کی تصنیف ہے) میں باقاعدہ تفصیلی ذکر کعبہ کی تعمیر کا کیا ہے اس میں ابراہیمؑ کے بنانے سے پہلے درج ذیل تعمیر کا تذکرہ ملتا ہے:

''آسمانوں اور زمینوں کی تخلیق سے پہلے کعبہ کا وجود'' (ج۱،ص:۴۱)، ''آدمؑ کی پیدائش سے پہلے فرشتوں کی تعمیر'' (ج۱،ص:۴۴)، ''آدمؑ کی تعمیر اور ان کا حج کرنا'' (ج۱،ص:۴۹-۵۸)، ''آدمؑ کے بعد ان کی اولاد کی تعمیر'' (ج۱،ص:۶۹) (تفصیل کے لیے دیکھئے ''تاریخ مکہ''، مطبوعہ 'مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز' مکۃ المکرمہ)

اسی طرح کتاب ''بیت اللہ الحرام'' (مؤلف استاذ احمد محمد شمس الدین) میں ہے:

''...یعنی وہ سب سے پہلا گھر ہے جو زمین کی سطح پر آدمؑ سے پہلے بنا...'' (ص:۱۴)

اسی طرح علامہ عبداللہ غازی مکی اپنی کتاب ''افادۃ الانام...'' میں ذکر کرتے ہیں:

''....جان لو کہ کعبہ کی بناء میں بڑا اختلاف ہے۔ اور سارے مجموعہ کا حاصل یہ ہے کہ وہ گیارہ مرتبہ بنایا گیا:

پہلی تعمیر: فرشتوں کی، دوسری: آدمؑ کی اور کہا گیا ہے کہ ان کی تعمیر فرشتوں سے پہلے کی ہے....، تیسری: ان کے اولاد کی تعمیر، چوتھی: ابراہیمؑ کی....'' ('افادۃ الانام' ج۱، تیسرا باب، فصل اول، ص:۲۸۴، ۲۸۵، مطبوعہ مکتبۃ الاسدی، مکۃ المکرمہ)۔

مزید یہ کہ ایک حدیث میں عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے آدمؑ کو جنت سے اتارا تو فرمایا کہ میں تیرے ساتھ ایک گھر اتارتا ہوں جس کے گرد طواف کیا جائے گا، جیسے میرے عرش کے گرد طواف کیا جاتا ہے اور اس کے گرد نماز پڑھی جائے گی جیسے میرے عرش کے گرد نماز پڑھی جاتی ہے۔ پھر طوفان کے زمانہ میں وہ گھر اٹھالیا گیا اسی دوران انبیاء کرامؑ اس کا قصد کرتے تھے.... (دیکھئے کتاب 'مجمع الزوائد' ج۳، ص:۲۶۱۔ امام ہیثمیؒ کہتے ہیں کہ اس حدیث کے راوی صحیح کے راوی ہیں۔ یہ حدیث امام منذریؒ کی 'الترغیب والترہیب' میں بھی ہے)۔

اسی طرح تفسیر کی کتابوں میں بھی یہ تفصیلی روایات نقل کی گئی ہیں۔ دیکھئے امام سیوطیؒ کی تفسیر ''الدرالمنثور'' (ج۱،ص:۳۰۴-۳۳۱، اور ج۲،ص:۲۶۵)، امام جلال الدین محلیؒ اور امام سیوطیؒ کی ''تفسیر جلالین'' (ص:۶۲)، امام رازیؒ کی ''تفسیر کبیر'' (ج۳،ص:۲۸۶)، امام قرطبیؒ کی تفسیر ''الجامع لاحکام القرآن'' (ج۲،ص:۱۲۰)، امام سدیؒ کی ''تفسیر السدی الکبیر'' (ص:۱۸۲) وغیرہ وغیرہ۔

اب معترض ان کو بھی اپنی گندی زبان کا نشانہ بنائے اور ان کے حال پر بھی افسوس کرے۔



اعتراض-۱۰

''فضائل اعمال'' میں بہت سی بدعات کی ترغیب دی گئی ہے، مثلاً ایصال ثواب کرنا، مخصوص تعداد میں اذکار کرنا جو کہ حدیث سے ثابت نہیں ہیں۔

جواب: یہ بھی معترض کا جھوٹ ہے۔ کتاب ''فضائل اعمال'' میں بدعات کی ترغیب قطعاً نہیں دی گئی ہے۔ اب اگر معترض کا نظریہ ہی بدعات کے بارے میں الگ ہوتو کیا کیا جائے؟ ایصال ثواب کو ہی لے لیجئے۔ امام ابن قیمؒ نے تو اپنی کتاب 'الروح' میں اس کی تفصیلی بحث فرمائی ہے اور باقاعدہ اس نظریہ کے مخالفین کے اعتراضات کا ایک ایک کر کے جواب بھی دیا ہے (دیکھئے کتاب 'الروح' ص:۱۴۵-۱۷۳) اس کے شروع میں اہل سنت کا اس بات پر اجماع نقل کرتے ہیں کہ دو طور پر تو ثواب پہنچتا ہے۔ ایک اگر میت اپنی زندگی میں کسی ایسے کام کا سبب بنا ہو جس کا ثواب جاری رہے۔ دوسرے یہ کہ زندہ مسلمانوں کی دعائیں مردوں کے حق میں، ان کے حق میں ان کے استغفار، اسی طرح صدقہ اور حج کا ثواب بھی بالاتفاق پہنچتا ہے۔ اس کے بعد فرماتے ہیں:

''بدنی عبادتوں میں انہوں نے (یعنی اہل سنت نے) اختلاف کیا ہے، جیسے روزہ، نماز، قرآن کی تلاوت اور ذکر، سو امام احمد (بن حنبلؒ) اور جمہور سلف اس کے (یعنی ثواب کے) پہنچنے کے قائل ہیں....''۔ ('الروح' ص:۱۴۵)

اسی طرح امام نوویؒ کتاب 'الاذکار' میں لکھتے ہیں:

علماء کا اجماع ہے کہ میت کو دعا کا فائدہ پہنچتا ہے اور اس کا ثواب بھی....اور

قراءۃ قرآن کے ثواب کے پہنچنے میں علماء نے اختلاف کیا ہے۔ شافعی مذہب اور بعض علماء میں مشہور نہ پہنچنا ہے۔ اور احمد بن حنبلؒ اور علماء کی ایک جماعت اور بعض شوافع اس طرف گئے ہیں کہ ثواب پہنچتا ہے....''۔ ('الاذکار' ص:۲۵۲)

اسی طرح تفسیر اور شرح کی کتابیں بھی اس سلسلہ میں دیکھی جا سکتی ہیں۔ لہٰذا معترض سوچے کہ یہ بدعت کیسے ہو سکتا ہے؟



اعتراض-۱۱

''فضائل اعمال'' میں ہے کہ مدینہ کے ہزار سے زیادہ نام ہیں (دیکھئے 'فضائل اعمال' جلد دوم، ص:۱۴۴) حالانکہ یہ سوائے غلو کے کچھ نہیں۔ اس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

جواب: معترض نے پھر خیانت کی ہے اس لیے کہ 'فضائل اعمال' میں شیخ الحدیث نے اپنی طرف سے یہ بات نہیں لکھی ہے بلکہ امام ابن حجر مکیؒ کی طرف منسوب کر کے لکھی ہے۔ مزید یہ کہ امام ابن حجر الہیثمیؒ امام نوویؒ کی کتاب 'شرح الایضاح' کے حاشیہ میں لکھتے ہیں:

''....بعض متاخرین نے اس کے (مدینہ کے) ناموں کو ہزار تک پہنچا دیا ہے، جو کہ اس کے صفات کے معانی سے استنباط کر کے کیا ہے....''۔ ('حاشیۃ علی شرح الایضاح'، ص:۴۷۳، مطبوعہ 'مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکۃ المکرمۃ)۔

معترض کے مطابق یہ غلو ہے!!!! لیکن امام نوویؒ کہتے ہیں:

''اور جان لو کہ ناموں کی زیادتی اس کی عظمت پر دلالت کرتی ہے... اور کسی بھی شہر کے اتنے نام نہیں جانے جاتے ہیں جتنے مکہ اور مدینہ کے ہیں کیونکہ وہ زمین پر سب سے بہتر ہیں''۔ ('شرح الایضاح'، ص:۴۷۴)

اس کے علاوہ درج ذیل کتابوں میں مختلف نام مدینہ منورہ کے پائے جاتے ہیں:

'بہجۃ النفوس والاسرار...' (ج۱، ص:۲۹، مطبوعہ 'مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز') علامہ عبداللہ بن محمد بن عبدالملک المرجانیؒ (م۶۹۷ھ)، 'کتاب تحقیق النصرۃ...' (فصل ثانی، ص:۴۲) علامہ زین الدین ابی بکر بن الحسین المراغیؒ (م۸۱۶ھ)، 'المغانم المطابۃ فی

معالم طابة' (تیسرا باب،ص:۲۶۱) امام مجدالدین محمد بن یعقوب الفیروزآبادی (۷۲۹-۸۱۷ھ) جو'مرکز بحوث ودراسات المدینۃ المنورۃ' کے زیراہتمام چھپی ہے) وغیرہ وغیرہ۔

علامہ سمہودیؒ (۸۴۴-۹۲۲ھ) نے اپنی کتاب ''خلاصۃ الوفا'' میں مدینہ کے نوے (۹۰) نام ذکر کئے ہیں (دیکھئے جزاول،ص:۱۹-۶۲) یہ کتاب ڈ محمد الامین محمد محمود احمد الجکنی (جو جامعہ اسلامیہ مدینۃ المنورۃ میں شعبہ تدریس کے رکن ہیں) کی تحقیق کے ساتھ شائع ہوئی ہے۔



اعتراض-۱۲

''فضائل اعمال'' میں ایک ضعیف حدیث ''میری امت کا اختلاف رحمت ہے'' کو بنیاد بنا کر امت کے اندر اختلاف کی ترغیب دی گئی ہے۔ حالانکہ اختلاف کو ختم کر کے امت کو ایک ہونے کی ضرورت ہے اس لیے کہ اختلاف توڑ ہے اور دین میں نقص ہے۔ سنت ایک ہی ہے، اس لیے کہ نبی ﷺ ایک ہی ہیں اور وہ ایک ہی صراط مستقیم کا طریقہ لائے ہیں۔ جب کہ فقہی مذاہب امت میں انتشار پیدا کرتے ہیں......

جواب: معترض نے پھر جھوٹ بولا ہے۔ 'فضائل اعمال' میں اس حدیث کو نہیں نقل کیا گیا۔ ہاں علماء اہل حق کے اختلاف کو ضرور ذکر کیا گیا ہے۔ لیکن شاید معترض کسی اور دین کا دعوے دار ہے، اس لیے کہ علماء کے اختلاف پر تو سب کا اتفاق ہے! شاید سادہ عوام کو دھوکا دینا آسان ہے لیکن حقیقت کو چھپانا آسان نہیں! پہلے دیکھتے ہیں کہ اس اختلاف کے بارے میں 'فضائل اعمال' نے کیا حقیقت بیان کی ہے۔ ویسے تفصیل کے لیے 'فضائل تبلیغ' کی 'فصل سادس' (ص:۲۵-۲۸) کو دیکھا جا سکتا ہے:

''....علماء میں اختلاف رحمت ہے اور بدیہی امر ہے۔ جب بھی کوئی عالم کسی شرعی دلیل سے کوئی فتویٰ دے گا، دوسرے کے نزدیک اگر وہ حجت صحیح نہیں تو وہ شرعاً اختلاف کرنے پر مجبور ہے۔ اگر اختلاف نہ کرے تو مداہن اور عاصی ہے۔ ('فضائل تبلیغ'، ج۱، ص:۲۸)

اب دیکھیں کہ دوسرے علماء کیا کہتے ہیں۔ اس کے لیے اس جگہ پر ہم صرف

'رابطہ عالم اسلامی' (مکۃ المکرّمۃ) کی نویں قرارداد سے چند اقتباسات پیش کر دیتے ہیں۔ ساتھ ہی اس پر دستخط کرنے والے بعض علماء کے نام بھی لکھ دیتے ہیں:

''دوسری نوعیت جو بعض مسائل میں فقہی اختلاف کی ہے، اس کے پس پشت کچھ علمی اسباب ہیں جن میں اللہ کی عظیم حکمت اور بندوں پر اس کی رحمت کارفرما ہے۔ ساتھ ہی اس کی وجہ سے نصوص سے استنباط احکام کے دائرہ میں وسعت پیدا ہوئی ہے۔

یہ اختلاف ایک نعمت اور عظیم قانونی فقہی سرمایہ ہے، جس نے امت مسلمہ کو اپنے دین وشریعت کی بابت انتہائی کشادگی وآسانی عطا کی ہے...''۔

لیکن معترض کے مطابق تو یہ دین میں نقص ہے امت میں توڑ کا سبب ہے؟؟

قرارداد میں آگے ہے:

''دوسری نوعیت کا یہ فقہی اختلاف ہمارے دین میں کوئی نقص یا تناقض نہیں رہا ہے اور نہ ہرگز اسے تناقض ونقص قرار دیا جاسکتا ہے.... یہ تو سراپا خیر ورحمت اور فی الواقع بندوں پر اللہ کی رحمت وشفقت اور نعمت ہے....

لیکن اسلام کو اپنی آنکھوں میں کھٹکنے والا کانٹا سمجھنے والے دشمنان اسلام مسلم نوجوانوں، بالخصوص بیرونی ممالک میں تعلیم حاصل کرنے والے مسلم طلبہ کی اسلامی ثقافت ومعلومات میں کمی کا استحصال کرتے ہوئے انہیں یہ باور کرانے کی ناپاک کوشش کرتے ہیں کہ فقہی اختلاف بھی اعتقادی اختلاف کی مانند ظلم اور شریعت میں تناقض وتضاد ہے....

جہاں تک دوسرے طبقہ کا تعلق ہے جو ان تمام مسالک ہی کو پس پشت ڈال دینا چاہتا ہے اور لوگوں کو ایک نئے اجتہاد کی دعوت دیتے ہوئے موجودہ فقہی مسالک (یعنی مذاہب اربعہ) اور ان کے ائمہ عظام کو طعن وتشنیع کا نشانہ بناتا ہے۔ اوپر پیش کردہ ان فقہی مسالک کی اہمیت وامتیاز اور ان کے ائمہ کی عظیم خدمات کے پیش نظر اس طبقہ کو چاہئے کہ اس ناپسندیدہ اور گھٹیا طرز عمل سے گریز کرے جس کے ذریعہ وہ لوگوں کو گمراہ کرتا ہے، ان کی

صفوں میں انتشار پیدا کرتا ہے اورانہیں ایسے نازک وقت میں منتشر کرتا ہے جس میں دشمنان اسلام کی خطرناک سازشوں کے مقابلہ میں پوری امت کوایک جھنڈے تلے جمع ہوجانے کی سخت ترین ضرورت درپیش ہے"۔('رابطہ عالم اسلامی، فقہی فیصلے'ص:۲۰۵-۲۰۸)۔

اس قرارداد پر دستخط کرنے والے بعض علماء یہ ہیں:

شیخ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز (سابق مفتی اعظم سعودی عرب)، شیخ محمد بن عبداللہ بن السبیل (امام وخطیب مسجد الحرام، مکۃ المکرمۃ)، ڈاکٹر عبداللہ عمر نصیف (سابق سکریٹری جنرل، رابطہ عالم الاسلامی)، شیخ صالح بن فوزان بن عبداللہ آل فوزان، شیخ ابوالحسن علی ندوی وغیرہ وغیرہ۔

اب دیکھیں کہ معترض کے نظریہ کے بالکل خلاف بات یہاں ہوگئی!!! لیکن ان شاءاللہ معترض کی ہمت نہیں ہوگی کہ ان علماء پر بھی کچھ وار کرسکے!!!

عوام سے ہماری گزارش ہے کہ ایسے دجال اور مکار لوگوں سے بچ کر رہیں اوران کی ان احمقانہ باتوں کوخاموشی سے سننے کے بجائے منہ توڑ جواب دیں۔ اگر خود جواب نہ دے سکیں تو علماء حق سے رابطہ کریں۔ اللہ ہم سب کی ان فتنوں سے حفاظت فرمائے، آمین۔



اعتراض-۱۳

’’فضائل اعمال‘‘ میں بعض من گھڑت احادیث کو بنیاد بنا کر عوام میں یہ عقیدہ پھیلانے کی کوشش کی گئی ہے کہ نبی ﷺ کی وفات نہیں ہوئی، اور وہ قبر میں دنیاوی زندگی کی طرح زندہ ہیں اور ان کی قبر کی زندگی برزخی نہیں ہے، اور یہ کہ وہ حاضر ہونے والوں کا صلاۃ وسلام سنتے ہیں، بھوکوں کو کھانا کھلاتے ہیں اور پریشانیوں میں مدد کرتے ہیں۔ یہ شرک اور کفر ہے۔ اس لیے کہ نبی ﷺ کو صحابہؓ نے دفن کیا تھا ان کی موت کے بعد۔ لہٰذا وہ ہر حال میں مردہ ہیں۔ دراصل یہ دیوبندی عقیدہ کی ترجمانی ہے، اس لیے کہ علماء دیوبند کے عقائد کی مستند کتاب ’المہند‘ میں صاف لکھا ہے کہ حضور ﷺ اپنی قبر میں زندہ ہیں اور یہ زندگی دنیاوی ہے، نہ کہ برزخی۔

جواب: معترض کو جھوٹ بولنے، جھوٹے الزامات لگانے اور صحیح باتوں سے غلط مطلب نکالنے میں کافی مہارت ہے! ’فضائل اعمال‘ میں کہیں یہ نہیں لکھا ہے کہ حضور ﷺ کا وصال نہیں ہوا اور وہ مرے نہیں ہیں۔ بلکہ خود شیخ الحدیثؒ نے حضور ﷺ کی وفات کا کئی بار اسی کتاب میں تذکرہ کیا ہے، اور ابوبکرؓ کا مشہور خطبہ بھی نقل کیا ہے۔ (مثلاً دیکھئے ’فضائل اعمال‘ ج ا ’حکایات صحابہؓ‘ ص:۱۶۸، اور ’فضائل ذکر‘ باب دوم، ص:۱۲۸-۱۳۰)، رہا ایسے واقعات تو یہ خرق عادات میں سے ہیں، اور اس سے قطعاً یہ مطلب نہیں نکالنا چاہئے کہ عقیدہ غلط ہے۔ اس جیسے واقعات اگر معمولی بزرگوں کو پیش آسکتے ہیں تو حضور ﷺ کی ذات تو اس

سے بھی اعلیٰ اور ارفع ہے! چند واقعات ملاحظہ فرمائیں:

''.....سعید بن مسیبؒ ایام حرہ میں نماز کے وقت میں نبی کریم ﷺ کی قبر سے اذان کی آواز سنا کرتے تھے، اور یہ ایسے وقت میں ہوتا تھا کہ باقی آدمی چلے جاتے تھے اور مسجد ان کے سوا تمام آدمیوں سے خالی ہو جاتی تھی''۔ ('الفرقان.....'، ص: ۲۱۷)۔

اب اس پر معترض کو اپنے اصول کے تحت یہ کہنا چاہئے کہ ''اس واقعہ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضور ﷺ کی موت کا انکار ہے اور یہ کہ وہ زندہ ہیں اور اذان دیتے ہیں۔ اس لیے امام ابن تیمیہؒ کی اس کتاب کو نہیں پڑھنا چاہئے کیوں کہ اس سے لوگوں کے عقائد خراب ہونے کا ڈر ہے''! پر معترض کبھی بھی ایسا نہیں کرے گا۔ آخر صرف 'فضائل اعمال' سے دشمنی ہے؟

''.....صوفی حبیب الرحمٰن کا بیان ہے کہ ۱۹۱۰ء میں جب حضرت ضیاء المعصوم صاحب مرشد امیر حبیب اللہ خان شاہ کابل، پٹیالہ تشریف لائے تو انہوں نے سرہند جانے کے لیے قاضی جی (قاضی سلیمان منصور پوری جو سیرت کی مشہور کتاب 'رحمۃ للعالمین' کے مصنف ہیں اور جماعت 'اہل حدیث' کے بڑے عالم ہیں) کو اپنے ساتھ لے لیا۔ حضرت ضیاء معصوم جب روضہ حضرت مجدد الف ثانی پر مراقبہ کے لیے بیٹھے، تو قاضی جی نے دل میں کہا کہ شاید ان بزرگوں کو آپس میں کوئی راز کی بات کہنی ہو، ان سے الگ ہو جانا چاہئے۔ ابھی آپ اپنے جی میں یہ خیال لے کر اٹھے ہی تھے کہ حضرت مجدد الف ثانی نے آپ کو (قبر کے اندر سے ہاتھ باہر نکال کر!!!) ہاتھ سے پکڑ لیا اور (قبر ہی سے!!!) فرمایا کہ سلیمان! بیٹھے رہو، ہم کوئی بات تجھ سے راز میں نہیں رکھنا چاہتے۔ صوفی صاحب کا بیان ہے کہ قاضی صاحب نے بعض دوستوں کا ذکر کیا اور فرمایا کہ یہ واقعہ مراقبہ یا مکاشفہ کا نہیں، بلکہ بیداری کا ہے (یعنی نہ خواب تھا، نہ کشف بلکہ حقیقت میں ایسا ہوا!!!!)'' ('کرامات اہل حدیث' ص: ۱۹۔ یہ مولانا عبدالمجید سوہدروی کی تصنیف ہے جن کا شمار ان علماء اہل حدیث میں ہوتا ہے جنہوں نے حدیث کی تصنیفی خدمات سر انجام دی ہیں ('حدیث کی

نشر واشاعت میں علمائے اہل حدیث کی خدمات' ص:۱۱۶)۔

رہا نبی ﷺ کا قبر اطہر میں زندہ ہونا اور صلاۃ وسلام سننا تو اس پر تو سب اہل سنت کا اتفاق ہے۔ مثلاً:

☆ علامہ سخاویؒ (جو امام ابن حجر عسقلانیؒ کے شاگرد ہیں) فرماتے ہیں:

''...اور ہم ایمان رکھتے ہیں اور تصدیق کرتے ہیں کہ نبی ﷺ اپنی قبر میں زندہ ہیں، آپ ﷺ کو رزق دیا جاتا ہے اور آپ ﷺ کے جسم کو زمین نہیں کھاتی۔ اور اس پر امت کا اجماع ہے''۔ ('القول البدیع' ص:۱۶۷)

☆ علامہ زرقانیؒ لکھتے ہیں:

''نبی کریم ﷺ اور انبیاء علیہم السلام کی قبروں میں زندگی ہمارے نزدیک قطعی اور یقینی ہے اور اس حیات پر دلائل قطعیہ قائم ہیں اور احادیث متواترہ سے ثابت ہے''۔ ('شرح مواہب' ج ۵، ص:۳۳۴)

اسی طرح درج ذیل کتب میں بھی اس کی وضاحت موجود ہے:

علامہ ابن حجر مکیؒ کی 'فتاوی الکبری' (ج ۵، ص:۱۳۵)، علامہ شوکانیؒ کی 'نیل الاوطار' (ج ۳، ص:۲۴۸)، حافظ احمد بن محمد القسطلانیؒ کی 'ارشاد الساری' (ج ۶، ص:۷۴)، علامہ سبکیؒ کی 'طبقات الشافعیہ' (ج ۳، ص:۴۵)، امام ابن قدامہ حنبلیؒ کی 'المغنی' (ج ۳، ص:۵۸۸)، شیخ عبدالقادر مکی حنبلیؒ کی 'حسن التوسل' (ص:۱۱۳)، علامہ ابن عابدین شامیؒ کی 'فتاویٰ شامی' (ج ۳، ص:۲۵۹)، امام ابوالمظفر الاسفرائنیؒ کی 'کتاب التبصیر' (ص:۳۹) وغیرہ وغیرہ۔

رہا مسئلہ اس حدیث کا جس میں یہ تذکرہ ہے کہ جو میری قبر پر سلام پڑھتا ہے میں اس کا جواب دیتا ہوں.... تو معترض کی معلومات کے لیے عرض ہے کہ یہ حدیث من گھڑت نہیں ہے۔ اس حدیث کو درج ذیل علماء نے اپنی کتب میں ذکر کیا ہے:

امام بیہقیؒ، امام طبرانیؒ، امام ابن تیمیہؒ، امام ابن قیمؒ، علامہ سخاویؒ، امام سیوطیؒ،

امام ابن عقیلؒ، علامہ خطیب بغدادیؒ، ملا علی قاریؒ، حافظ ابن حجر عسقلانیؒ، امام ابن حبانؒ، محدث زرقانیؒ، قاضی عیاضؒ وغیرہ۔ (تفصیل کے لیے دیکھئے مولانا اللہ یار خان صاحب کی کتاب 'حیات النبی ﷺ')

اسی طرح ایک حدیث میں آتا ہے کہ ''....اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کردیا ہے کہ وہ انبیاء کے اجسام کو کھائے''۔ اس حدیث کو مختلف طرق سے نقل کیا گیا ہے، جس میں ایک اوس بن اوسؓ کی حدیث ہے، جس کو درج ذیل علماء نے اپنی کتب میں ذکر کیا ہے:

امام احمدؒ ('مسند' ج ۴، ص: ۸)، امام ابوداوٗدؒ ('سنن' حدیث: ۱۰۴۷)، امام نسائیؒ ('سنن' ج ۳، ص: ۹۱، ۹۲)، امام ابن ماجہؒ ('سنن' حدیث: ۱۰۸۵)، امام حاکمؒ ('مستدرک' ج ۱، ص: ۲۷۸، ج ۴، ص: ۵۶۰)، امام ابن خزیمہؒ ('صحیح' حدیث: ۱۷۳۳)۔ (یہ تفصیل امام ابن قیمؒ کی کتاب 'جلاء الافہام' کی تحقیق سے نقل کی گئی ہے)۔

'جلاء الافہام' کے محقق اس کی تحقیق میں لکھتے ہیں: راجح یہی ہے کہ اس طرق سے صحیح ہے۔ آگے لکھتے ہیں: اس حدیث کو امام حاکم، امام ذہبی اور امام نووی نے صحیح لکھا ہے۔ (تفصیل کے لیے دیکھئے 'جلاء الافہام' ص: ۳۶)

اس حدیث کو ذکر کرنے کے بعد امام ابن قیمؒ نے اس کی صحت پر تفصیلی بحث فرمائی ہے۔ (دیکھئے 'جلاء الافہام' ص: ۳۶-۳۸) اس کے اخیر میں فرماتے ہیں:

''.....اور یہ کوئی بری علت نہیں ہے، کیونکہ اس حدیث کے شواہد ہیں ابوہریرہ، ابوالدرداء، ابوامامۃ، ابومسعود الانصاری، انس بن مالک اور حسن (رضی اللہ عنہم اجمعین) کی حضور ﷺ سے نقل کردہ احادیث میں''۔ ('جلاء الافہام' ص: ۳۸)

اسی طرح ایک اور حدیث میں اوپر والے ٹکڑے کے بعد اضافہ ہے کہ ''....پس اللہ کا نبی زندہ ہوتا ہے اور اس کو رزق دیا جاتا ہے''۔ یہ حدیث ابوالدرداءؓ سے روایت ہے اور درج ذیل کتب میں ہے:

امام ابن ماجہؒ کی 'سنن' (حدیث: ۱۶۳۷)، امام منذریؒ کی 'ترغیب' (ج ۲،

ص:۲۸۱)، علامہ بوصیریؒ کی 'زوائد' (ج ۲، ص: ۵۹) وغیرہ وغیرہ۔

امام منذریؒ فرماتے ہیں: اس کی سند جید ہے۔ علامہ بوصیریؒ فرماتے ہیں: اس سند کے رجال ثقہ ہیں لیکن دو جگہ سے سند منقطع ہے۔ (یعنی حدیث مرسل ہے)۔

اس کا درجہ صحیح لغیرہ ہے.... شیخ الالبانیؒ کہتے ہیں: اس کے رجال ثقہ ہیں لیکن سند منقطع ہے۔ (دیکھئے تحقیق 'جلاء الافہام' ص: ۳۹)

اور اسی طرح کی ایک اور حدیث ہے، جس میں ہے کہ جو مجھ پر سلام بھیجتا ہے تو اللہ میری روح کو واپس کر دیتا ہے یہاں تک کہ میں اس سلام کا جواب دوں۔ اس حدیث کو درج ذیل علماء نے روایت کیا ہے:

امام احمد بن حنبلؒ ('مسند' ج ۲، ص: ۵۲۷)، امام ابوداؤدؒ ('سنن' حدیث نمبر: ۲۰۴۱)، امام بیہقیؒ ('سنن' ج ۵، ص: ۲۴۵)، امام طبرانیؒ ('اوسط' حدیث نمبر: ۳۱۱۶) وغیرہ۔

''....اور امام نووی نے کہا: اس کی سند صحیح ہے۔ اور حافظ ابن حجرؒ نے کہا: اس کے راوی ثقہ ہیں، اور امام سیوطیؒ نے اس کی تضعیف کی.... اور شیخ البانیؒ نے اسے حسن قرار دیا اور اس سے حجت کی حافظ منذریؒ نے 'الترغیب والترهیب' میں...''۔ ('جلاء الافہام' تحقیق حازم القاضی، ص: ۲۱، مطبوعہ مکتبۃ نزار مصطفیٰ الباز، مکۃ المکرمۃ)

اس حدیث کے بارے میں 'فتاوی اللجنۃ الدائمۃ' کے سعودی علماء کا کہنا ہے کہ یہ حدیث حسن درجہ کی ہے اور قابل حجت ہے۔ (دیکھئے 'فتاوی اللجنۃ الدائمۃ' ج ۱، ص: ۴۸۱)

☆ معروف حنبلی عالم امام عبدالواحد بن عبدالعزیز التمیمیؒ (م ۴۱۰ھ) نے ایک کتاب 'کتاب فیہ اعتقاد الامام المنبل' کے نام سے لکھی جس میں انہوں نے امام احمد بن حنبلؒ کے اقوال، عقائد سے متعلق جمع کئے۔ اس میں لکھتے ہیں:

''اور وہ فرماتے تھے: شہداء قتل ہونے کے بعد باقی رہتے ہیں، اور اپنا رزق کھاتے ہیں۔ اور وہ فرمایا کرتے تھے: بے شک انبیاءؑ اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور نماز پڑھتے ہیں.... اور میت کو اس کا پتہ چل جاتا ہے جو اس کی زیارت کرتا ہے جمعہ کے دن

طلوع فجر کے بعد اور طلوع شمس سے پہلے ....''۔ (ص:۸۱، ۸۳)

اسی طرح سماع موتی کے مسئلہ کے بارے میں امام ابن قیمؒ نے اپنی کتاب 'الروح' میں تفصیلی بحث اس سلسلہ میں کی ہے اور اس پر اعتراضات اور مخالف دلائل کا جواب دیا ہے۔ (مثلاً دیکھئے 'کتاب الروح' ص: ۶۰، ۶۱)

اور کتاب کے شروع میں عنوان 'کیا اموات کو زندوں کی زیارت اور ان کے سلام کا پتا چلتا ہے یا نہیں؟' کے تحت فرماتے ہیں:

''...اور سلف کا اس پر اجماع ہے، اور ان سے آثار تواتر کو پہنچتے ہیں کہ میت کو زندہ کی زیارت کا پتہ چلتا ہے اور اس سے خوش ہوتی ہے....''۔ ('الروح'، ص:۹)

رہے دوسرے واقعات پر اعتراض، سو اس کا جواب پہلے دیا جا چکا ہے اور ایسے واقعات کی حقیقت بیان کی جا چکی ہے۔

رہا معترض کا یہ کہنا کہ یہ دیوبندی عقیدہ کی تبلیغ ہے جس کے مطابق نبی ﷺ قبر میں برزخی زندگی نہیں بلکہ دنیوی زندگی گزار رہے ہیں، تو اس میں بھی معترض نے جھوٹ بولا ہے۔ کتاب 'المہند' کی پوری تفصیل اس مسئلہ میں پڑھنے سے صاف پتہ چل جاتا ہے کہ بات کیا ہے، لیکن معترض کو پتہ ہے کہ سادہ لوح عوام کے پاس اتنا وقت نہیں ہے کہ وہ 'المہند' کو پڑھیں!!! عوام کی اس سادگی کا وہ بھرپور فائدہ اٹھاتا ہے، لیکن قیامت میں اس کا حساب دینا ہوگا اور ہمیں چاہئے کہ مسلمانوں کے عقائد کے خلاف جھوٹے الزامات کے ذریعہ کفر اور شرک کے احکامات جڑنے سے گریز کریں۔ مجبوراً ہم یہاں 'المہند' کی پوری تفصیل سامنے رکھ دیتے ہیں تا کہ ہماری ذمہ داری بھی پوری ہو جائے اور حق بات لوگوں کو معلوم ہو جائے۔ سوال یہ تھا کہ نبی ﷺ کی قبر کی زندگی کے بارے میں کیا فرماتے ہیں، کہ کوئی خاص زندگی آپ ﷺ کو حاصل ہے یا عام مسلمانوں کی طرح برزخی زندگی ہے؟ (یہ سوال ذہن میں رہے!!) جواب میں لکھتے ہیں:

''ہمارے نزدیک اور ہمارے مشائخ کے نزدیک حضرت ﷺ اپنی قبر مبارک

میں زندہ ہیں اور آپ ﷺ کی حیات دنیا کی سی ہے (یہ نہیں کہا کہ وہ دنیاوی زندگی ہے بلکہ دنیاوی زندگی کی طرح ہے۔ آگے تفصیل دیکھیں) بلا مکلف ہونے کے اور یہ حیات مخصوص ہے آں حضرت ﷺ اور تمام انبیاء علیہم السلام اور شہداء کے ساتھ، برزخی نہیں ہے جو (جیسا کہ) حاصل ہے تمام مسلمانوں بلکہ سب آدمیوں کو (اس سے صاف واضح ہوگیا کہ عقیدہ یہ ہے کہ ان کی زندگی خاص برزخی زندگی ہے، عام نہیں) چنانچہ علامہ سیوطیؒ نے اپنے رسالہ 'انباء الاذکیاء بحیاۃ الانبیاء' میں بتصریح لکھا ہے (یعنی یہ بات کوئی نئی نہیں ہے اور اپنی طرف سے نہیں ہے، بلکہ اہل سنت والجماعت کے علماء نے یہ بات پہلے بھی کی ہے!!)، چنانچہ فرماتے ہیں" کہ علامہ تقی الدین سبکیؒ نے فرمایا ہے کہ انبیاء وشہداء کی قبر میں حیات ایسی ہے جیسی دنیا میں تھی (اب کیا معترض ان علماء کو بھی اپنی گندی زبان کا نشانہ بنائے گا؟ اور کیا ان پر بھی الزام تراشی کرے گا؟؟؟) اور موسیٰ علیہ السلام کا اپنی قبر میں نماز پڑھنا (جیسا کہ صحیح مسلم کی روایت میں ہے) اس کی دلیل ہے کیونکہ نماز زندہ جسم کو چاہتی ہے....." پس اس سے ثابت ہوا کہ حضور ﷺ کی حیات دنیوی ہے اور اس معنی کر برزخی ہے کہ عالمِ برزخ میں حاصل ہے....."۔ ('المہند علی المفند'، ص: ۳۲، ۳۳)۔

اس تفصیل کو پڑھنے کے بعد بھی کیا یہ کہا جاسکتا ہے کہ ان کا عقیدہ ہے کہ نبی ﷺ کو اپنی قبر میں جو زندگی حاصل ہے وہ برزخی نہیں دنیوی ہے؟ پھر بھی اگر کسی کو شبہ ہو تو اس کے لیے مزید وضاحت 'خلاصہ عقائد علمائے دیوبند' (جو 'المہند' کے ساتھ چھپا ہے) میں کردی گئی ہے چنانچہ پیش لفظ میں 'قاضی مظہر حسین' صاحب نے اس پر تفصیلی گفتگو کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

"انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات بعد الممات کے لیے جو بعض اکابر نے دنیوی حسی حیات کے الفاظ استعمال کیے ہیں، تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ موت کے بعد ان کو من کل الوجوہ (ہر حیثیت سے) یہ دنیوی حیات حاصل ہے، بلکہ اس سے مراد عالم

برزخ کی وہ حیات ہے جو ان کے ابدان میں ہے جو اس دنیا میں تھے، نہ یہ کہ ان کی حیات کا تعلق محض ان کے مثالی ابدان سے ہے، البتہ قبر میں ان کو اس دنیا کی غذا اور دوا کی حاجت نہیں ہے....."۔ ('المہند' ص:۱۴۸)

اب اس عقیدہ میں کیا بگاڑ ہے، کہ نبی ﷺ یا دیگر انبیاء اور شہداء کو قبر میں جو زندگی حاصل ہے وہ عام مسلمانوں یا عام لوگوں کی طرح نہیں ہے؟



اعتراض-۱۴

''فضائل اعمال'' میں جمعہ کے دن کثرت سے نبی ﷺ پر درود وسلام کی ترغیب دی گئی ہے (دیکھئے 'فضائل درود' ص:۳۸)، حالانکہ اس کی کوئی صحیح اصل نہیں ہے، اور یہ گمراہ صوفیوں کا غلو ہے۔ نبی ﷺ پر کثرت سے درود کبھی بھی پڑھا جاسکتا ہے اور اس کی کثرت کو خاص وقت کے ساتھ مخصوص کر دینا گمراہی ہے، اللہ محفوظ رکھے۔

جواب: اس میں کوئی شک نہیں کہ نبی پاک ﷺ پر ہمیشہ کثرت سے درود وسلام پڑھنا چاہئے، لیکن یہ کہنا کہ خاص اوقات متعین نہیں ہیں، صریح جہالت اور خود گمراہی اور نادانی ہے۔ اعتراض نمبر ۱۳ کے تحت جو احادیث اوس بن اوسؓ سے نقل کی گئی ہیں، ان دونوں کے شروع میں ہے: ''...سو اس (دن) میں میرے اوپر صلاۃ میں کثرت کیا کرو....'' اور ابو الدرداءؓ والی حدیث کے شروع میں ہے: ''.... جمعہ کے دن میرے اوپر صلاۃ بھیجنے میں کثرت کیا کرو....''۔ دونوں حدیثوں کی بابت تفصیلی بحث اوپر گزر چکی ہے۔

اب خود معترض بتائے کہ غلو کا شکار کون ہے؟

اعتراض-۱۵

"فضائل اعمال" میں صلاۃ التسبیح کے بارے میں ترغیب دی گئی ہے۔(دیکھئے'فضائل ذکر'ص:۱۶۹-۱۷۶) حالانکہ اس نام کی کوئی نماز نہیں ہے اور اس کی حدیثیں ضعیف اور من گھڑت ہیں اور اس کا پڑھنا بدعت ہے۔

جواب: یہ بھی صرف معترض کی جہالت ہے اور فن حدیث سے ناواقفیت کی دلیل ہے۔ صلاۃ التسبیح کے بارے میں بہت سی کتابیں لکھی گئی ہیں، جن میں سے بعض کو ہم یہاں ذکر کرتے ہیں تا کہ اس کی اہمیت کا اندازہ ہو جائے اور یہ بھی واضح ہو جائے کہ شیخ الحدیثؒ اس کی ترغیب میں اکیلے نہیں ہیں!:

امام دارقطنیؒ (م ۳۸۵ھ) کی 'صلاۃ التسبیح'، حافظ سمعانیؒ (م ۵۶۲ھ) کی 'فضائل صلاۃ التسبیح'، حافظ ابوموسیٰ المدینیؒ (م ۵۸۱ھ) کی 'تصحیح حدیث التسبیح'، علامہ سبکیؒ (م ۷۷۱ھ) کی 'الترشیح لصلاۃ التسبیح'، حافظ ابن ناصر الدین دمشقیؒ کی 'الترجیح لصلاۃ التسبیح'، حافظ ابن حجر عسقلانیؒ (صاحب 'فتح الباری' م ۸۵۲ھ) کی جزء 'امالی الاذکار'، امام سیوطیؒ (م ۹۱۱ھ) کی 'التصحیح لصلاۃ التسبیح' وغیرہ وغیرہ۔

اسی طرح درج ذیل علماء اس نماز کے پڑھنے میں کم سے کم کوئی حرج نہیں سمجھتے اور (معترض کی طرح) بدعت نہیں سمجھتے بلکہ اکثر اس کو مستحب سمجھتے ہیں:

امام حاکمؒ، حافظ ابن حجر عسقلانیؒ، امام دارقطنیؒ، امام نوویؒ، امام ابن الصلاحؒ، امام بیہقیؒ، امام سبکیؒ، حافظ العلائیؒ، امام ابن علانؒ، امام سراج الدین البلقینیؒ، امام الزبیدیؒ، علامہ زرکشیؒ، حافظ ابن حجر الہیثمیؒ، امام سیوطیؒ، امام ابن قدامہ الحنبلیؒ، علامہ ابن عابدین شامیؒ، علامہ بزدویؒ وغیرہ وغیرہ۔

(**نـوٹ:** اوپر کی تفصیل علامہ خطیب بغدادیؒ کی کتاب 'ذکر صلاۃ التسبیح' کے محقق ڈ. ایمان علی العبد الغنی (استاذ قسم الحدیث والتفسیر، جامعۃ الکویت) نے اس کتاب کے شروع میں نقل کی ہیں)۔

صلاۃ التسبیح کی ترغیب میں بہت سی حدیثیں وارد ہوئی ہیں، مثلاً 'فضائل ذکر' میں اس باب میں سب سے پہلی حدیث ابن عباسؓ والی ہے۔ اس حدیث کو درج ذیل علماء نے ذکر کیا ہے:

امام بخاریؒ ('جزء القراۃ' ۱۵۸)، امام ابوداوٗدؒ ('سنن' ۱۲۹۷)، امام ابن ماجہؒ ('سنن' ۱۳۸۷)، امام ابن خزیمہؒ ('صحیح' ۱۲۱۶)، امام طبرانیؒ ('کبیر' ج ۱۱، ص: ۲۴۳، ۲۴۴)، امام حاکمؒ ('مستدرک' ج ۱، ص: ۳۱۸)، امام بیہقیؒ ('دعوت الکبیر' اور 'سنن' ج ۳، ص: ۵۱، ۵۲)، علامہ خطیب بغدادیؒ ('صلاۃ التسبیح' ص: ۵۷) وغیرہ، اور یہ حدیث کم سے کم حسن درجہ کی ہے۔

اس باب میں مختلف طرق سے روایات نقل کی گئی ہیں۔ کچھ حسن، کچھ ضعیف، لیکن مجموعی طور پر درجہ صحیح کو پہنچتا ہے اور متابعات اور شواہد کی وجہ سے قابل حجت ہو جاتی ہیں۔

علامہ منذریؒ فرماتے ہیں:

''یہ حدیث (صلاۃ التسبیح والی) بہت سے طرق اور صحابہؓ کی جماعت سے روایت کی گئی ہے۔ جیسا کہ عکرمہ کی یہ حدیث ہے، اور اس کو صحیح کہا ہے علماء کی ایک جماعت نے جن میں حافظ ابوبکر الآجریؒ اور ہمارے شیخ ابومحمد عبدالرحیم المصریؒ اور ہمارے شیخ ابوالحسن المقدسیؒ ہیں۔ ابوبکر بن ابی داوٗد کہتے ہیں: میں نے اپنے والد کو کہتے ہوئے سنا کہ صلاۃ التسبیح کے باب میں اس سے صحیح حدیث کوئی نہیں۔ امام مسلمؒ فرماتے ہیں: اس باب میں کوئی حدیث اس سے اچھی سند سے مروی نہیں ہے، یعنی عکرمہ کی حدیث ابن عباسؓ سے''۔ ('الترغیب والترھیب' ج ۱، ص: ۴۶۸)

اور حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں:

''دار قطنیؒ نے کہا کہ قرآنی سورتوں کے فضائل میں سب سے صحیح قل ھو اللہ احد (کے بارے میں روایات ہیں) اور نماز کی فضیلت میں سب سے صحیح صلاۃ التسبیح (کے بارے میں روایات ہیں)....''۔ (التلخیص ج ۲، ص: ۷)



اعتراض-۱۶

اس کتاب میں حضرت شیخ الحدیث صاحب کئی غیر صحابی (مثلاً امام ابوحنیفہؒ) کے ناموں کے ساتھ 'رضی اللہ عنہ' لکھتے ہیں حالانکہ یہ جائز نہیں ہے، اور سب جانتے ہیں کہ یہ لقب خاص صحابہؓ کے لیے مختص ہے، جس طرح 'علیہ السلام' نبیوں کے لیے۔

جواب: یہ بھی معترض کی کم علمی کی دلیل ہے۔ خود اللہ فرماتا ہے (ترجمہ: "وہ لوگ جو ایمان لائے اور کئے بھلے کام، وہ لوگ ہیں سب خلق سے بہتر۔ بدلہ ان کا ان کے رب کے یہاں باغ ہیں ہمیشہ رہنے کو، نیچے بہتی ہیں ان کے نہریں، رہیں گے ان میں وہ ہمیشہ۔ اللہ ان سے راضی اور وہ اس سے راضی۔ یہ ملتا ہے اس کو جو ڈرا اپنے رب سے"۔ (سورۃ البینۃ: ۸)

نیز مشہور تفسیر 'جلالین' میں سورہ توبہ کی آیت ۱۰۰ کی تفسیر میں ہے:

"اور سابقون الاولون جو مہاجرین اور انصار میں سے ہیں، اور وہ شہداء بدر یا سارے صحابہ ہیں اور جو ان کی اتباع کرنے والے ہیں قیامت تک نیکی کے ساتھ عمل میں، اللہ راضی ہوا ان سے ان کی اطاعت سے اور وہ راضی ہوئے اس سے اس کے ثواب سے ..."۔ (ص: ۲۰۳، نیز دیکھئے 'تفسیر جلالین' ص: ۵۴۵، اور ص: ۵۹۹)

اسی طرح درج ذیل معتبر تفسیروں میں اس طرف اشارہ موجود ہے، والحمد للہ:

امام ابن کثیرؒ (م ۷۷۴ھ) کی 'تفسیر القرآن العظیم' (ج ۱۴، ص: ۴۲۵)، امام ابوجعفر محمد بن جریر الطبریؒ (م ۳۱۰ھ) کی تفسیر 'جامع البیان ....' (ج ۱۱، ص: ۲۴۴، ۲۴۵، ج ۱۴، ص: ۴۳۴-۴۳۹، ج ۲۲، ص: ۴۹۳-۴۹۵، ج ۲۴، ص: ۵۵۶، ۵۵۷)، امام

قرطبیؒ (م ۶۷۱ھ) کی تفسیر 'الجامع لاحکام القرآن' (ج ۶، ص: ۳۷۹-۳۸۱، ج ۸، ص: ۲۳۸، ج ۱۷، ص: ۳۰۸، ج ۲۰، ص: ۱۴۵، ۱۴۶)، امام ابوحیانؒ (م ۷۴۵ھ) کی تفسیر 'البحر المحیط' (ج ۴، ص: ۶۸، ج ۵، ص: ۹۶) وغیرہ وغیرہ۔

☆ نیز امام ابن الجوزیؒ نے اپنی کتاب ''صفة الصفوة' میں بہت سے غیر صحابی کے تذکرہ کے بعد 'رضی اللہ عنہ' لکھا ہے۔ مثلاً تابعی علی بن حسین بن علی کے تذکرہ میں لکھتے ہیں: ''اور وہ بقیع میں دفن کئے گئے اور انہوں نے ۵۸ سال کی عمر پائی، رضی اللہ عنہ'' ('صفة الصفوة' ص: ۳۲۸)، اسی طرح علی بن عبداللہ بن عباس کے تذکرہ میں ('صفة الصفوة' ص: ۳۳۱) وغیرہ وغیرہ۔

☆ اسی طرح معروف 'اہل حدیث' عالم نواب صدیق حسن خان نے اپنی کتاب 'التاج المکلل' میں بہت سے غیر صحابہ کے تذکرہ کے ساتھ 'رضی اللہ عنہ' لگایا ہے۔ مثلاً اپنے والد کے تذکرہ میں فرماتے ہیں: ''اور وہ پیدا ہوئے، رضی اللہ عنہ، سن ۱۲۱۰ھ) میں...''۔ (ص: ۲۹۷) نواب صاحب کے والد یقیناً صحابی رسول نہ تھے!!!

ماضی قریب کے معروف سعودی عالم شیخ عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن جبرینؒ اپنے فتوے میں فرماتے ہیں:

''اور جائز ہے اس کا استعمال صالحین اور عبادت گزار نیک لوگوں کے لیے اور پرہیزگار علماء تابعین اور تبع تابعین اور امام اور علماء امت کے حق میں جو اہل سنت میں سے ہیں.... جیسا کہ ائمہ اربعہ اور علماء اہل سنت والجماعت۔ لیکن علماء کی اصطلاح میں اس کی صحابہؓ کے لیے تخصیص مشہور ہے.... لیکن غیر صحابی کے لیے استعمال کو وہ منع نہیں کرتے ہیں...''۔ (فتویٰ نمبر: ۳۶۸۰)

بس دعا ہے کہ اللہ معترض کو عقل بھی دے اور کتاب وسنت کا صحیح علم بھی دے، آمین۔

اعتراض-١٧

''فضائل اعمال'' میں تسبیح متعارف (جو عام طور پر دھاگے میں پروئے ہوئے دانے ہوتے ہیں اور عربی میں جس کو'السبحہ' یا 'المسبحہ' کہتے ہیں) کے جواز پر شیخ الحدیث صاحب نے بڑی تفصیلی بحث کی ہے (دیکھئے'فضائل ذکر' ص:١٦٣-١٦٥) جب کہ علماء حق کے نزدیک یہ سراسر بدعت اور گمراہی ہے اور اس کا استعمال جائز نہیں ہے، نہ ہی اس کی کوئی اصل ہمیں ملتی ہے اور یہ غالی اور گمراہ صوفیوں کی ایجاد ہے۔ بلکہ اذکار کو صرف انگلیوں پر گننا چاہئے، اور اس طرح کی بدعت کو پھیلانا اپنی آخرت برباد کرنا ہے۔

جواب: حضرت شیخ الحدیثؒ نے اپنی طرف سے کوئی بات 'تسبیح' کے بارے میں نہیں گڑھی ہے، بلکہ علماء کے اقوال کو پیش کیا ہے اور سب سے پہلے تو خود حضور ﷺ کی حدیث پیش کی ہے۔ اب معترض کو اندھے پن کی بیماری ہے تو حضرت کا کوئی قصور نہیں ہے۔ اس حدیث کو (جس میں ہے کہ حضور ﷺ ایک عورت کے پاس پہنچے جس کے سامنے بہت سے دانے تھے جن پر وہ تسبیح پڑھتی تھیں....) درج ذیل علماء نے ذکر کیا ہے:

امام ابن حبانؒ ('کتاب الصحیح' ن:٨٣٧)، امام حاکمؒ ('المستدرک' ج١، ص:٥٤٧، ٥٤٨)، امام ابوداوٗدؒ ('سنن' ١٥٠٠)، امام ترمذیؒ ('سنن' ٣٥٧٨)، امام

نسائیؒ (’عمل الیوم واللیلۃ‘ ۳۹۵۴)، امام بغویؒ (’شرح السنۃ‘ ۱۲۷۹) وغیرہ۔

امام حاکم نے اس کی تصحیح کی ہے اور امام ذہبیؒ نے ان کی موافقت کی۔ اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں: ”یہ حدیث صحیح ہے اور اس کی سند کے رجال (یعنی راوی) صحیح کے راوی ہیں سوائے خزیمۃ کے، کہ نہ تو اس کے نسب کا پتہ ہے نہ ہی اس کے حال کا، اور اس سے سوائے سعید بن ابی ہلال کے اور کسی نے نہیں روایت کیا ہے۔ (لیکن) امام ابن حبانؒ نے اپنی ’الثقات‘ میں ان کا تذکرہ کیا ہے، جیسا کہ ان کی عادت ہے ان راویوں کا تذکرہ کرنے کی جن پر کوئی جرح نہ کی گئی ہو اور نہ ہی ان سے منکر روایت منقول ہو اور حاکم نے اسے صحیح کہا ہے، اور اس کی شاہد ہے ابوامامۃ الباھلی کی حدیث“۔ (دیکھئے تحقیق یوسف علی بدیوی ’الاذکار‘ ص:٥٦، مطبوعہ ’دار ابن کثیر)۔

نیز امام نوویؒ لکھتے ہیں ”امام ترمذیؒ نے کہا کہ یہ حدیث حسن ہے“۔ (’الاذکار‘ ص:٥٦) مزید تفصیل کے لیے دیکھئے علامہ محمد بن علان الصدیقیؒ (م ۱۰۵۷ھ) کی ’الفتوحات الربانیۃ علی الاذکار النوویۃ‘ ص:۲۴۴-۲۵۲) نیز ان کا خاص رسالہ اس مسئلہ پر ’ایقاد المصابیح لمشروعیۃ اتخاذ المسابیح‘ قابل مطالعہ ہے۔

معروف سعودی عالم شیخ صالح بن عثیمینؒ نے اپنے فتویٰ میں انگلیوں پر اذکار کے گننے کو اولیٰ اور افضل بتایا ہے مگر ساتھ ساتھ ’السبحۃ‘ یا ’المسبحۃ‘ (یعنی تسبیح متعارف) کے بدعت ہونے کی تردید کی ہے۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

’سبحۃ (یعنی تسبیح متعارف) دین میں بدعت ہرگز نہیں ہے۔ اور وہ اس لیے کہ انسان کا مقصد اس سے اللہ کی عبادت کرنا نہیں ہوتا بلکہ صرف تسبیح یا تہلیل یا تحمید یا تکبیر کا شمار کرنے کے لیے اس کا استعمال کرتے ہیں، اور یہ ذریعہ اور وسیلہ ہے (بذاتہ) مقصود نہیں...“ آگے انگلیوں پر شمار کرنے کی افضلیت سمجھاتے ہوئے اخیر میں پھر فرماتے ہیں: ”....اور اس کے ساتھ ساتھ (واضح رہے) کہ ’مسبحۃ‘ پر تسبیح کا گننا دین میں بدعت

نہیں شمار کی جاسکتی....''۔(دیکھئے'فتاوی علماء الحرمین الشریفین'ص:۵۳۳،۵۳۴، اوردیکھئے'فتاوی علماء البلد الحرام'ص:۴۱۱،۴۱۲)۔

اب کیا معترض ان کو بھی اپنی گندی زبان کا نشانہ بنائے گا؟ اور کیا ان پر بھی بدعت کو پھیلانے کا الزام لگائے گا؟!!! یا صرف 'فضائل اعمال' اور 'تبلیغی جماعت' سے نفرت ہے؟؟



اعتراض-١٨

"فضائل اعمال" میں ہے کہ امام ابوحنیفہؒ نے چالیس سال تک صبح کی نماز عشاء کی وضو سے پڑھی، حالانکہ یہ سنت کے خلاف عمل ہے، اور امام صاحب کے مقلدین نے یہ باتیں غلو میں ان کی طرف منسوب کردی ہیں، اسی طرح ان کو امام اعظم کہنا بھی غلط ہے، جب کہ امام اعظم صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

جواب: اعتراض نمبر ٨ پر بھی اس قسم کے اعتراض کا جواب گزر چکا ہے، یہ بھی معترض کی جہالت اور حماقت ہے، سلف صالحین میں ہزاروں بزرگان دین ایسے رہے ہیں جنہوں نے عبادات اور ریاضات میں اپنی عمر لگادی تھیں، علماء اہل سنت نے کبھی ان کو طعن کا نشانہ نہیں بنایا، نہ ہی ان کو مخالف سنت قرار دیا، نہ ہی ان کی تعریف کرنے والوں پر غلو کا الزام لگایا، معترض کی جہالت پر افسوس کہ وہ ایسی باتیں کرتا ہے۔

ذیل میں صرف مثال کے طور پر امام ذہبیؒ کی کتاب "تذکرۃ الحفاظ" سے چند حالات اسلاف کے ذکر کرتے ہیں:

☆ معروف تابعی وہب بن منبہؒ کے بارے میں امام ذہبیؒ لکھتے ہیں: مثنیٰ بن صباح فرماتے ہیں کہ انہوں نے بیس سال ایسے گزارے کہ عشاء کے وضو سے فجر کی نماز پڑھی۔ ("تذکرۃ الحفاظ"، ج١، ص:١٠١)

اب اگر بیس سال پڑھنا غلو نہیں ہے اور سنت کی مخالفت نہیں ہے تو چالیس کیوں؟ کیا صرف امام ابوحنیفہؒ سے نفرت ہے؟ اور کیا صرف احناف اور فضائل اعمال سے ہی عداوت ہے؟ امام ذہبیؒ پر کیا معترض وہی اعتراضات کرسکتا ہے

جو احناف پر کرتا ہے؟

☆ معروف محدث اور تابعی ابو اسحاق سبیعیؒ کے تذکرہ میں فرماتے ہیں کہ: احمد بن عمران اخنسیؒ نے فرمایا کہ: ابوبکر بن عیاشؒ نے ہمیں بتایا کہ میں نے ابو اسحاق کو کہتے ہوئے سنا کہ چالیس سال سے میری آنکھوں نے پلک بھی نہیں جھپکا ہے (یعنی سویا نہیں) ('تذکرۃ الحفاظ' ج ۱، ص: ۱۱۵)

☆ صفوان بن سلیمؒ فقیہ تابعی ہیں، ان کے بارے میں امام ذہبیؒ فرماتے ہیں کہ ابن عیینہؒ سے روایت ہے: انہوں نے فرمایا کہ صفوان نے قسم کھائی تھی کہ اپنا پہلو زمین سے نہیں لگائیں گے یہاں تک کہ ان کی موت آجائے۔ چنانچہ تیس سال تک ان کا یہی حال تھا اور بیٹھنے کی ہی حالت میں انتقال ہوا۔ ('تذکرۃ الحفاظ' ج ۱، ص: ۱۳۴)۔

اب اس طرح کی قسم کھانا کیا سنت سے ثابت ہے:

☆ منصور بن معتمرؒ مشہور محدث ہیں ان کے بارے میں حافظ ذہبیؒ لکھتے ہیں کہ:... منصور نے چالیس سال تک مسلسل روزہ رکھا، اور چالیس سال تک کی یہ پوری مدت رات بھر نماز پڑھتے گزاری، اور پوری رات رویا کرتے تھے۔ ('تذکرۃ الحفاظ'، ج ۱، ص: ۱۴۲)۔

☆ سلیمان تیمیؒ مشہور محدث ہیں، ان کے بارے میں لکھا ہے کہ: معتمر فرماتے ہیں کہ میرے والد کا چالیس تک یہ حال تھا کہ ایک دن روزہ رکھتے اور ایک دن نہ رکھتے، اور عشاء کے وضو سے صبح کی نماز پڑھتے .... پورا سال سلیمان تیمیؒ عشاء اور صبح کی نماز ایک ہی وضو سے پڑھتے تھے۔ ('تذکرۃ الحفاظ'، ج ۱، ص: ۱۵۱)۔

☆ اخیر میں امام نوویؒ کے بارے میں کچھ اس طرح کے معمولات کا تذکرہ کرنا بیجا نہ ہوگا:

"....اور وہ دن رات میں صرف ایک وقت عشاء کے بعد کھاتے تھے، اور سحر کے وقت سحری کے لیے کچھ پی لیتے تھے.... اور کسی سے ہدیہ قبول نہیں کرتے تھے.... اور دو سال ایسے گزارے کہ اپنا پہلو زمین سے نہیں لگایا...."۔ (یہ تفصیل امام ہیثمیؒ کی

کتاب 'الفتح المبین بشرح الاربعین' مطبوعہ دارالمنہاج جدہ بحوالہ 'المطالب العلمیہ فی طبقات الشافیہ' سے لی گئی ہے)۔

اب معترض امام نووی کو مخالف سنت اور بدعتی کیوں نہیں کہتے؟

رہا امام ابوحنیفہؒ کو امام اعظم نہ کہنا، اس لیے کہ صرف اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سب سے بڑے امام ہیں، یہ بھی معترض کی کم عقلی ہے، دیکھئے ہم سب اہل سنت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو صدیق اکبر کہتے ہیں، اسی طرح عمر رضی اللہ عنہ کو فاروق اعظم کہتے ہیں...اب معترض کے اصول کے مطابق سب سے بڑے صدیق تو اللہ کے رسول ﷺ ہی ہونے چاہئیں، اسی طرح سب سے بڑے حق و باطل میں فرق کرنے والے اللہ کے رسول ﷺ ہی ہونے چاہئیں، لہٰذا یہ القاب بھی ان صحابہؓ کے لیے نہ استعمال کئے جائیں؟ واضح رہے کہ خود امام ابن تیمیہؒ نے اپنے فتاویٰ میں جگہ جگہ امام ابوحنیفہؒ کو امام اعظم کے لقب کے ساتھ ذکر کیا، اسی طرح امام ذہبیؒ نے بھی اپنی ''تذکرۃ الحفاظ'' میں امام صاحب کو امام اعظم کے لقب سے ذکر کیا، آخر معترض ہی کیوں اس کی مخالفت پر تلا ہوا ہے؟ کیا یہ نفرت اور بغض کی دلیل نہیں ہے؟

معترض کو چاہئے کہ جہالت کی تنگ وادیوں سے نکل کر علم کے اجالے میں زندگی بسر کرے اور امت کے اندر انتشار اور توڑ پیدا کر کے اپنی آخرت برباد نہ کرے، نیز سادہ لوح عوام سے بھی گزارش ہے کہ ایسے دجال اور خائن لوگوں سے اپنے آپ کو اور اپنی نسل کو بچائیں جو 'توحید و رسالت' اور 'قرآن و سنت' اور 'علم' کے لبادے میں امت کو گمراہ کر رہے ہیں۔ اللہ ساری امت کی حفاظت فرمائے، اور سارے مسلمانوں کو دین کی صحیح سمجھ عطا فرمائے اور دین پر عمل کرتے ہوئے اسے سارے دنیا میں پھیلانے کی فکروں میں قبول فرمائے، آمین۔

وصلی اللّٰہ تعالیٰ علیٰ سیدنا محمد وعلیٰ آلہ وأصحابہ أجمعین، وآخر دعوانا أن الحمد للّٰہ رب العالمین.



اس رسالہ کو تیار کرنے میں درج ذیل کتابوں کی مدد لی گئی ہے:

۱۔ مولانا لطیف الرحمٰن بہرائچی کی کتاب ''تحقیق المقال فی تخریج احادیث فضائل الاعمال''۔

۲۔ مناظرِ اسلام، وکیل احناف مولانا الیاس گھمن دامت برکاتہم کا مقبول رسالہ ''فضائل اعمال پر اعتراضات کا علمی جائزہ''۔

۳۔ مولانا عبداللہ معروفی، استاذ دارالعلوم دیوبند کا رسالہ ''فضائل اعمال پر اعتراضات کا ایک اصولی جائزہ''۔

جو بھی حوالے دیئے گئے ہیں وہ یا تو ان کتابوں پر اعتماد کر کے دئے گئے ہیں یا پھر حوالہ لکھ دیا گیا ہے۔ واضح رہے کہ اکثر بے جا اعتراضات اس قابل نہیں کہ ان کا جواب دیا جائے۔ اللہ تعالیٰ اسے قبول فرمائے اور ہدایت اور اطمینان کا ذریعہ بنائے۔ آمین



''فضائل اعمال''

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ جامعہ مظاہر العلوم سہارن پور میں حدیث شریف کا درس بڑے معیاری طریقہ سے انجام دیتے رہے اور درس کی جامعیت اور شہرت کی وجہ سے نہ صرف جامعہ مظاہر العلوم بلکہ پورے ہندوپاک میں اسی نسبت سے معروف ہوئے اور شیخ الحدیث کا لقب اُن کا اصل لقب بن گیا۔ تدریس حدیث کے ساتھ ساتھ تصنیف وتالیف کا کام بھی ایسے بڑے پیمانے پر انجام دیتے رہے کہ حدیث میں تصنیفی کام کی تعداد واہمیت میں منفرد مقام حاصل کیا۔ علم حدیث کے دائرے میں تصنیفی کام کے ساتھ ساتھ تربیتی میدان میں بھی ان کی تصنیفات کو وہ مقبولیت وعمومیت حاصل ہوئی کہ اس موضوع کی دیگر معاصر کتابوں کو کم حاصل ہوئی ہوگی۔ ان کی فضائل کی کتابوں کو آج شہرۂ آفاق مقام حاصل ہے جو اب ایک مجموعے کی شکل میں ''فضائل اعمال'' کے نام سے معروف ہیں اور دنیا کی مختلف زبانوں میں پڑھی جاتی ہیں۔ ان کی دوسری علمی وتحقیقی کتابوں اور حدیث شریف کی اہم کتاب ''مؤطا امام مالکؒ'' کی شرح ''اوجز المسالک'' سے بھی عرب وعجم کے علماء خوب مستفید ہورہے ہیں۔

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی

ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ

(ماخوذ از ''یادوں کے چراغ'' حصہ اول، ص: ۳۵)